U466 P-16-1-10

Title – PARSI ULOOM AUR ISLAM.

Creator – Mohd. Muslim.

Publisher – Matba, Jamia Millia (Delhi).

Date –

Pages – 60

Subject –

اللہ اکبر

پارسی علوم اور اسلام

مسلمانوں نے پارسیوں اور اُن کے علوم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فارسی پر عربی کے اثرات واحسانات

از

محمد مسلم ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل

پروفیسر سینٹ کولمباز کالج۔ ہزاری باغ (بہار)

قیمت فی جلد ۱۲ر

(مکتبہ محمد اسحاق زریں رقم)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پارسی علوم اور اسلام

تصحیح الزام | کیانیوں اور ساسانیوں کی حکومت کے افسانے ان کی فتوحات جاہ و جلال، اور عیش و عشرت کے نے ضرب المثل چلے آتے ہیں جمشید کے جشن اُسکے تخت، جام، آئینہ، انگشتری کی داستانوں نے دربار سلیمانی کی کہانی دلوں سے بھلادی

فسانہا کہ ببازیچہ روزگار سرود   کنوں بسند جمشید و تاج کے بستند

کیانیوں کی طاقت و اقتدار اور تہذیب و تمدن پر تمام ساسانیوں کی حالت کو قیاس کرکے یہ فیصلہ صادر کردیا جاتا ہے کہ ان کے پاس بھی علوم و فنون کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہوگا جسے فاتحین مابعد نے غارت کردیا ہوگا چنانچہ اسی ظن پر افراسیاب، اور اسکندر اعظم کے ساتھ فاتحین اسلام پر بھی غارتگری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اسی قیاس کی بنیاد پر بعض تذکرہ نویسوں نے پارسی علوم و فنون کی خیالی رفیع الشان عمارتیں کھڑی کرلی ہیں۔ بعض مور[خین] نے مخصوص اغراض سے قصداً اس قسم کی غلط فہمی پھیلائی ہے۔

اس تخیل پروازی میں مورخین سیاسی اگر بانی نہیں تو شریک غالب کی حیثیت ضرو[ر] رکھتے ہیں ان کے اعجاز مسیحی سے صرف ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نہیں بلکہ

تمام تاریخ اسلام کا رنگ روپ کچھ سے کچھ ہوگیا - فارسی میں تاریخ ایران پر اگر کوئی سب سے کامل اور مبسوط تالیف ہے تو ایران کے انگریزی سفیر سر جان ملکم کی انگریزی تالیف کا فارسی ترجمہ ہے[1] ان کی زبان سے ذیل کا بیان جو در اصل مسلمانانِ ایران و عرب میں باہم غلط فہمی و منافرت کی کوشش کے سوا کچھ نہیں قابل غور ہے :-

ہر یک از مورخین کہ با صدر اسلام معاصر بودہ اند نوشتہ اند کہ تابعین پیغمبر عرب از پایداری و لجاجی کہ ایرانیاں در دفاع ملک و مذہب خویش نمودند چناں در خشم بودند کہ چوں دست یافتند ہر چیز کہ اسباب تقویت ملت دانستند عرضہ دمار و ہلاکت ساختند، شہرہا با خاک یکساں و آتشکدہ ہا بآتش سوختہ شد۔ و موبدانے را کہ مواظب امور و مباشر خدمات معابد و ہیاکل بودند از تیغ گذرانیدند و کتب فضلائے امت عجم از آنکہ علوم مطلقا یا تاریخ یا کتب شریعت یا کسانیکہ ایں گونہ کتب در تصرف ایشاں بود در معرض تلف در آمدند - عرب متعصب در آں ایام بجز قرآں نہ کتابے میدانست نہ میخواست بداند - موبداں را مجوس می نامیدند ایشاں را ساحرے دانستند و کتب ایشاں را کتب سحر می پنداشتند و از حال کتب یوناں و روم میتواں قیاس کرد کہ کتب مملکتے مثل ایران چہ قدر از آں طوفان باقی خواہد ماند؟[2]

نفس بحث کا اصولی جواب تو آگے چل کر دیا جائیگا - یہاں ناظرین صرف اس قدر ملاحظہ کر لیں کہ "موبداں را مجوس می نامیدند" مجوس آخر کون سی گالی ہے؟

[1] گورنر بمبئی کے حکم سے مرزا حیرت ایرانی نے [illegible] میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تاکہ اتمام کے بعد ایران بھیجا جائے
ملاحظہ ہو دیباچہ مترجم مطبوعہ بمبئی [illegible] [2] تاریخ ایران سر جان ملکم مطبوعہ بمبئی [illegible] صفحہ نمبر ۶۵ و ۶۶

یہ یونانی لفظ میگس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دانا۔ اول اول کلدان کے حکیموں اور منجموں کا لقب تھا اس کے بعد مشرق کے حکما۔ و فیلسوف کے لئے مستعمل ہونے لگا اور قدیم پارسیوں کے پیشواؤں کے لئے ایک تعظیمی خطاب قرار پا گیا۔ ملکم صاحب کا اسے گالی بنا دینا کس نیت سے ہے محتاج تشریح نہیں

(۲) پارسی ادبیات کی غارتگری کا الزام عرب فاتحین پر زیادہ تر مجمل اور غیر معین طور پر لگایا گیا ہے۔ اگر کسی شخص کے معین نام اور وقت کا حوالہ دیا گیا ہے تو وہ **عبداللہ بن طاہر** ہے جو کوئی بادشاہ نہیں، خود مختار حکمران نہیں خلیفہ نہیں بلکہ خلیفہ المعتصم عباسی کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا۔ اور ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ دولت شاہ سمرقندی جو اس روایت کا ذمہ دار ہے لکھتا ہے۔

نیز حکایت کنند کہ امیر عبداللہ بن طاہر کہ بروزگار خلفائے عباسی امیر خراسان بود روزے در نیشاپور نشستہ بود شخصے کتابے آورد و بہ تحفہ پیش او نہاد پرسید کہ این چہ کتاب است گفت این قصہ وامق و عذرا است و خوب حکایتے است کہ حکما بنام نوشیروان جمع کردہ اند۔ امیر فرمود کہ ما مردم قرآن خوانیم بغیر از قرآن و حدیث پیغمبر چیزے نمی خواہیم ما را ازین نوع کتابے در کار نیست این کتاب تالیف مغان است و پیش ما مردود است فرمود تا آن کتاب را در آب انداختند و حکم کرد کہ در قلمرو من ہر جا کہ از تصانیف عجم و مغان کتابے باشد

جہلہ را بسوانند۔ ازیں جہت تا روزگار آں ساسان اشعار عجم را ندیدہ اند و اگر احیاناً نیز شعر گفتہ باشند مدوّن نکردہ اند"

(۳) رضا علی خاں بھی مجمع الفصحا میں جو ناصر الدین قاچار کے عہد میں ~~۱۸۸۲ء~~ تصنیف ہوئی سرجان ملکم اور دولت شاہ کی پیاکی بنا پر اشعار عجم کے اتلاف کو نہایت دلیری سے عربوں سے منسوب کرتا ہے۔

"و ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرائے عجم بسبب غلبہ عرب از میاں رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیہ عرب سوختند۔۔۔۔۔۔ از کتب قدیم چیزے بر جا نگذاشتند، الا قلیلے کہ پنہاں داشتند چوں مردم را تدعن بلیغ نمودند قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد۔"

(۴) منشی محمد حسین آزاد مرحوم کی نوحہ خوانی کے لئے اتنی چھیڑ کافی تھی۔ انہوں نے حسب عادت بلا حوالہ و سند عرب فاتحین کی وحشت کا ماتم کیا ہے۔ ان کا توسن خامہ ہوائی میدانوں میں یوں طرارے بھرتا ہے۔

"ریگستان عرب سے ایک آندھی اٹھی اس کے پیچھے گرجتا بادل بجلی چمکاتا آیا ۔۔۔۔۔۔ خلاصہ یہ کہ ساسانی سلطنت کا اقبال شمشیر اسلام کی قربانی ہو گیا۔ ۔۔۔۔۔ عالیشان آتش خانے ڈھائے گئے۔ دینی و دنیاوی کتابیں ورق ورق اڑیں اور جلکر خاک در خاک ہو گئیں۔ اس وقت میں بہت سے پارسی بھاگ وہاں سے بھاگے اور صحرا نوردوں کے ساتھ ایمانوں کو بھی بچا لائے ۔۔۔۔۔۔"

تحقیق کی آنکھیں روتی ہیں اُس گئے وقت پر جو کسی طرح نہیں آسکتا ۔ ۔ ۔ ۔
ان خانہ بربادوں کے ہاں کبھی تاریخ، اخلاق، افسانے، نظم و نثر سب کچھ
ہونگے، کیا ان کی عبارتوں کا بھی یہی سیدھا سادہ بے تکلف رنگ تھا۔
افسوس افسوس آج اُس عہد کو کہاں سے لائیں اور جو کچھ فنا ہوگیا کیوں کر
پائیں کہ دوستوں کو دکھائیں اور کچھ فائدہ اٹھائیں ،،

آئیے ہم اس بھیانک منظر کو تاریخ کی روشنی میں دیکھ کر فیصلہ کریں آیا
اس کی کوئی اصلیت ہے یا محض انشا پردازانہ طلسم بندی اس بحث کی تنقیح
کے لئے ہم نے ذیل کے چار مسائل کا استقصا کیا ہے۔

(۱) قدیم ایرانی تہذیب اور زبان ہمیشہ سے سامی تہذیب و زبان کے
زیر اثر رہی ہے خود ایرانی زبان نہایت ناقص تھی اور علوم کی متحمل نہ تھی
(۲) اسلام کی فتح ایران کے وقت ایران دولت علم سے تہی دست تھا۔
(۳) پہلوی اور فارسی کے قدیم ترین نمونے اور ان کی کیفیت و کمیت۔
(۴) عربوں نے اہل ایران اور ان کے علم و مذہب کے ساتھ کیا برتاؤ
کیا ہے خود پارسی اور غیر مسلم مورخین کی معتبر شہادتیں ۔

تہذیب و زبان ایران پر سامی اثر

ایران قدیم نسلاً ہند و یورپ سے خواہ کچھ ہی واسطہ رکھتا ہو مگر اس
کی تہذیب و تمدن کا رشتہ ناطہ عہد قبل التاریخ سے دور جدید تک سامی[1]
اقوام کے ساتھ رہا ہے۔ بالخصوص علوم و فنون میں تو ہمیشہ اسے سامی
دماغ ہی کا منت کش رہنا پڑا ہے۔ حضرت مسیح سے آٹھ سو سال پیشتر سے
جب اشوریہ کلدان اور بابل کی تہذیب و تمدن کے نقارے دور دراز ممالک
تک گونج رہے تھے، ایران انکے اثر سے محفوظ نہ رہا۔ اشوری کتبوں سے ہمیں پتہ
ملتا ہے کہ آٹھ سو سال قبل مسیح سے چھ سو سال قبل مسیح تک تقریباً دو صدی
ایران پر ملوک ماد (اہل میڈیا) کے دور میں اہل اشوریہ کا قبضہ رہا ہے۔ پھر
پیشدادی دور میں ایران غلامی کا جوا کندھے سے اتار کر نہ صرف آزاد ہو گیا بلکہ
سنہ ۵۳۹ قبل مسیح تک بابل پر قابض ہو گیا۔ اور سلطنت کلدانی اور شام و فلسطین
ان کے وسیع مفتوحات میں داخل ہو گئے۔ لہذا ایران دو صدی تک بحیثیت
مفتوح اور شاید اسی قدر یا کم بحیثیت فاتح سامی تہذیب و تمدن سے متاثر
ہوتا رہا۔ اسی لئے پروفیسر براؤن صاحب پارسی قدیم کی تحقیق اور پہلوی کی تحصیل
کیلئے سنسکرت کے مقابلہ میں عربی دانی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

---

[1] سامی اقوام میں اہل اشوریہ کلدانی، یہودی، اہل فینیشیا، ارامی، عرب، اہل ایتھوپیا (شمالی افریقہ) داخل ہیں

"یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ ایران کے ہر دور میں ایران پر سامی اثر بہت زیادہ رہا ہے۔ آخری ساسانی اور اسلامی دور میں عربی اثر، اس سے پیشتر کے ساسانی اور آخری اشکانی دور میں ارامی اور اس سے پہلے اشوری۔"[۱]

ارامی تحریر قدیم ایرانی کتبے ہمیں صاف بتاتے ہیں کہ ماہ ملکوں اور پیشدادیوں ہی کے عہد سے ارامی زبان اور تحریر ارامی علاقوں سے باہر بھی تمام دستاویزوں اور سکوں میں مستعمل تھی۔ مشہور مستشرق پروفیسر نولدیکی کا بیان ہے کہ ارامی زبان مشرق میں، وادی فرات پر اور ارمنی اور کردی پہاڑی علاقوں میں، دجلہ کے جنوب و مغرب میں بولی جاتی تھی۔ بلکہ وہ سارا صوبہ جہاں ارساسیس اشکانی اول (۲۵۰ قبل مسیح) اور ساسانی بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا ارامی ملک کہلاتا تھا۔ اہل ایران عمدہ طرز تحریر سے ناآشنا تھے اس لئے ان کو ارامی تحریر اختیار کر لینے میں قریب قریب ویسی ہی سہولت تھی جیسی بعد کو فارسی میں عربی رسم الخط کو داخل ہونے سے حاصل ہوئی۔

میخی تحریر ایران میں میخی طرز تحریر[۲] شیبی فرات اور دجلہ کے راستے پہنچا۔ جہاں یہ طرز ایک مدت تک جاری رہا۔ ماہ ملکوں (میڈیوں) اور پیشدادیوں کے عہد کی میخی تحریر نہایت ناقص اور متشابہ الاشکال ہے۔

---

[۱] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول نمبر ۸ باب ۱۔ [۲] یہ تحریر کیلوں کی سی لمبی نوک سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اسے میخی کہتے ہیں۔

اِس کے لغات کی مجموعی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں جہاں جہاں اِس ناقص تحریریں کتبے دیکھے گئے ہیں اُن پر غالباً اسی دقت کی وجہ سے دو تین اور زبانوں میں ترجمے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک سامی زبان ہوتی ہے۔ دوسری کا پتہ اب تک نہیں چلا بعض اوقات وہ دوسری زبان یونانی ہوتی ہے۔ دوسری دقت میخی تحریر میں یہ تھی کہ یہ چٹانوں اور پتلی پتلی اینٹوں پر کھودنے ہی کے لئے موزوں تھی۔ جب بارِیک چمڑے بجائے کاغذ کے ایجاد ہوئے تو ان پر یہ تحریر آسانی سے لکھی نہ جا سکتی تھی۔

پہلوی تحریر

آخر دارائے اول کے عہد میں پہلوی یعنی پارتھیا والوں (ارشکانیوں) کا طرزِ تحریر اختیار کیا گیا۔ مگر اس کا استعمال صرف حکومت کے لئے مخصوص تھا۔ اس تخصیص کا نتیجہ بقول پروفیسر اشپیگے یہ ہوا کہ "پارسی زبان سررشتہ کے ساتھ زوال پذیر ہو گئی۔ اردشیر سوم (متوفی ۲۴۸ قبل مسیح) کے کتبے سے فارسی زبان ایک نہایت میلے کچیلے لباس میں لاوارث سی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری طرف پارسی کے دوش بدوش ارامی زبان مدت دراز سے تجارتی اور مشترک زبان کی حیثیت سے تمام ملک میں پھیل گئی تھی اور خوب پھل پھول رہی تھی خصوصاً حکومت ایران کے نصف مغربی کے تمام وثیقے (قانون)، اور سرکاری دستاویزیں ارامی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں۔ یہاں کے صوبہ دار اور فوجدار عموماً اپنے سکے اسی

زبان میں ڈھالتے تھے۔"

پانچ صدیوں کی خاموشی اسکندر کے فتح ایران کے بعد سے تقریباً ساڑھے پانچسو سال تک ہمیں زبان پارسی کی کوئی تحریر نہیں ملتی جھوٹ یا سچ اس فاتح پر یہی الزام چلا آتا ہے کہ اس نے شرفا و علماء ایران کو قتل کر دیا، شہر مسمار کرائے، تمام کتابوں کو آگ لگا دی، اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی خدائے نامہ سے ناقل ہے کہ سکندر اپنے مطلب کی کتب نجوم طب فلسفہ زراعت اسکندریہ اٹھوا لے گیا اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے۔ اس کے بعد ایران علم سے خالی ہو گیا، اور جلوس اردشیر تک تمام عہد اشکانی یا ملوک الطوائف میں ایران میں کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا جو علم کو زندہ کرتا یا حکمت کی کوئی بات بھی سمجھ سکتا"[1]

یونانی تسلط کے زمانہ میں مصنفین یونان سے جو کچھ باتیں سے چھوڑ گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکندر نے ایرانی مردوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا اور ایرانی عورتوں کو اپنے سپاہیوں امیروں اور تمام یونانی باشندوں کے تصرف میں دے کر ایران کی قوم کو یونان میں جذب کر لیا تھا یونانی عصمت فروش عورتیں بھی کثرت سے ایران میں پہنچی ہی بھرتی ہوتی تھیں آتیں ولا اور تجارت پیشہ ایران کی

---

[1] تاریخ سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحات ۱۸ - ۳۰ - ۳۲

[2] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر ایچ مندرجہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تحت "پرشیا" پروفیسر ... کی تحت ... جلد ...

ہستی من حیث القوم باقی چھوڑی۔ نہ ان کا خون ایرانی رہا تھا۔ نہ ہڈی، نہ دماغ۔ پھر وہ زبان کیونکر خالص ایرانی باقی رہتی جو زمانہ حکمرانی میں ناقص رہی تھی۔

مذہبی کتاب کھو بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ آشوریہ کے براہ راست اثر کے زائل ہوتے ہی ایران جہل کی تاریکی میں مبتلا ہو گیا۔ اہل مشرق کو مذہب دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رہا ہے مگر ایرانی اپنی مذہبی کتاب کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بہت جلد اوستھا کی زبان سے ناآشنا ہو گئے۔ محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ساری اوستھا نہ زرتشت کا کلام نہیں بعض تو یہاں تک قائل ہیں کہ اوستھا میں ایک لفظ بھی زرتشت کا نہیں یہ تو شاید مبالغہ ہو مگر اتنا مسلّم ہے کہ یہ ایک مصنف یا ایک عہد کا کلام نہیں بلکہ جرمن مستشرق گیلڈنر کی تحقیق کے مطابق عہد شاپور دوم یعنی ۳۷۹ء تک اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ اس میں صرف ایک مختصر حصہ گاتھا جو کچھ مناجاتوں کا مجموعہ ہے اغلباً زرتشت ہی کا کلام ہے باقی الحاق۔

پروفیسر براؤن اپنی معرکۃ الآرا تاریخ علوم ایران میں اوستھا کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے اسی آرین و سامی تعصب کی نسبت ایک حسرت آگیں حقیقت کو منکشف کرتے ہیں۔

"ایک دن میں نے موسیو ہلیوی[1] سے اوستھا کے تذکرے کے موقع پر سوال کیا
کہ حضرت اتنے فضلا جو اوستھا کی اتنی قدامت کے مدعی ہیں اپنے دعویٰ پر
کوئی دلیل نہیں رکھتے ؟۔

انہوں نے جواب دیا "ہاں سب سے بڑی اور کافی دلیل سامی اقوام سے اُن کی
نفرت اور آریہ نژادی پر ان کا فخر و مباہات ہے۔ یہودیوں کو آریہ نسل پر کسی قسم
کی اولیت یا فضیلت دینے سے وہ اس قدر کارہ ہیں کہ زرتشت کو چمکا کے
وہ موسیٰ پر خاک ڈالتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے وہ صحف بنی اسرائیل کو دباتے دوسرے
ہاتھ سے وہ اوستھا کو اچھالتے ہیں" اگر یہ صحیح ہے تو نہایت حسرت کا
مقام ہے کہ منحوس جذبہ نسلی جو دنیا میں بے شمار جرائم کا موجب رہ چکا ہے اس
رفیع منزل کو بھی سالم نہ رہنے دے جہاں ان شہوات رذیلہ کو کوئی دخل نہ ہونا تھا
ان تعصب نسلی رکھنے والے مسیحی یا لا مذہب مصنفوں سے زیادہ قابل تاسف ہمارے وہ
مسلمان اہل قلم ہیں جو اپنی نسلی عصبیت کے جوش میں اپنے مذہب کی روایات تاریخی پر داغ
تہمت لگانے اور جھوٹے جذبہ نسلی پرستی پر حرمت دینی کو قربان کرنے میں تامل نہیں کرتے
الغرض ہمارے پاس ایران کے عہد عتیق کی تنہا یادگار اوستھا کی ایسی ہے جس میں سے صرف ایک بٹا نو گاتھا ہے

---

[1] جوزف ہلیوی وہ فرانسیسی مستشرق ہے جو ۱۸۶۹ء میں یہودی کے بھیس میں صنعاء کے مشرقی مقام جوف میں جا پہنچا جہاں سنہ ۲۴ قبل مسیح سے لیکر اس وقت تک کسی یورپی کے قدم نہیں پہنچے تھے بیشمار تکالیف خطرات و مصائب جھیلنے کے بعد یہ تقریباً سات سو حمیری کتبوں کی نقلیں لے آیا جن سے نہایت قیمتی معلومات تاریخی حاصل ہوئیں

مگر ہم تمام الحاقات مابعد کو بھی اوستا میں شامل سمجھیں تو جو لٹریچر ہمارے پیش نظر ہوتا ہے وہ ایک قوم کی دماغی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہونا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ ہم بلکہ اکثر پارسی حضرات بھی اوستا کو اصل زبان میں نہیں پڑھ سکتے لہذا پروفیسر براؤن صاحب کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔

"تاریخی حیثیت سے یا زرتشت کے عقائد کا مرقع اور قدیم مذہب کی یادگار ہونے کے لحاظ سے یہ کیسی ہی کارآمد کتاب ہو مگر نہ تو یہ خوشگوار ہے نہ دلکش۔ میں اپنی نسبت تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک طرف قرآن کو جوں جوں آگے پڑھتا جاتا ہوں لطف بڑھتا جاتا ہے اور شوق سے اُس کا مطالعہ کرتا اور اس کے مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، دوسری طرف اوستا کا مطالعہ بدمزگی اور تنفص پیدا کرتا ہے اور یہ کیفیت مزید مطالعہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ کچھ لوگ تحصیل زبان، تحقیق مذاہب، دریافت آثار قدیمہ کی غرض سے، اور بعض لوگ الہامی کتاب سمجھ کر بھی اسے پڑھ لیا کریں گے مگر مجھے تو یقین نہیں کہ اس کا ترجمہ خواہ کیسا ہی دلچسپ کیا جائے معمولی طبیعت کے کتب بین جو کتابیں دلچسپی کے لئے پڑھا کرتے ہیں، اسے شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

دور کہاں جائیے خود اوستا پر ایمان رکھنے والے مجوسی تھوڑے

ہی عرصہ میں اوستھا کے سمجھنے سے عاجز نظر آنے لگے۔ نظام الملک طوسی سیاست نامہ میں مزدک کی بحث میں کہتا ہے:۔ مزدک گفت مرا فرستادہ اند تا دین زردشت تازہ گردانم کہ خلق معنی ژند داوستا فراموش کردہ اند........ موبدان گفتند......... در ژند واوستا سخنان است کہ ہر سخن دہ معنی دارد وہر موبدے ودانائے را درو قولے وتعبیرے بنیست[1]

اس کا سبب تاخت اسکندری کے علاوہ زیادہ تر ایرانی طرز تحریر کا نقص اور اہل ایران کی علم سے بے نیازی تھا۔ عہد اسکندری سے حکمت یونان کی جو کچھ روشنی ایران میں پہنچنے لگی تھی وہ بھی بہت جلد حکومت یونان کے زوال کے ساتھ زائل ہو گئی۔

نقص تحریر بقول پروفیسر ایتھے ۱۶۲ء تک یونانی تہذیب و تمدن کا نشان ایران سے مٹ گیا اور اس کی جگہ پھر ارامی نے لے لی۔ اسی زبان میں سکے ڈھالے جاتے تھے یہ ساسانی دور تھا اس عہد میں اہل ایران اپنے طویل خواب جہالت سے کچھ بیدار ہوئے۔ پہلے انسان کو مذہب کی فکر ہوتی ہے اونھوں نے دیکھا کہ اوستھا سمجھ میں نہیں آتی تو موبدوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے پہلوی میں

[1] صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ پریس ۱۲

اوستھا کا ترجمہ اور شرح لکھوائی جسے ژند کہتے ہیں بقول پروفیسر گیلڈنر ترجمہ اصل زبان سے ان کی ناواقفیت وجہالت کا پتہ دیتا ہے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ژند بھی اوستھا کی طرح چیستان بن گئی اور شرح ومتن میں کوئی فرق نہ رہا آخر ژند کا ترجمہ جدید پہلوی میں کرنا پڑا جسے پاژند کہتے ہیں۔

جس پہلوی میں ژند لکھی گئی ہے اور جس میں اردشیر کے کتبے پائے جاتے ہیں اس کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ ہے کہ لکھتے کچھ ہیں اور پڑھتے کچھ ہیں تحریر میں کثرت سے ارامی الاصل الفاظ ملتے ہیں جو صرف اسم وفعل تک محدود نہیں بلکہ حروف، اسما اشارہ ضمائر و اعداد تک کو شامل ہیں، مگر پڑھنے والے اسے اور طرح پڑھتے تھے، مثلاً نقش رستم میں اردشیر بابکان بانی خاندان ساسانی کا یہ کتبہ جو دو قسم کی پہلوی، کلدانی و ساسانی تراجم سمیت درج ہے۔

"پتکری زنا مزدیسن بگی ارتخشتر ملکان ملکا ایران منوچتری من یزتان برا پاپکی ملکا

ترجمہ

شبیہ اوس مزداپرست دیوتا اردشیر شاہنشاہ ایران دیوتاؤں کی روحانی اصل رکھنے والے شاہ پاپک کے بیٹے کی۔

الفاظ خط کشیدہ ارامی ہیں۔ مگر پڑھنے والے زنا کو آن، ملکان ملکا کو شہنشاہ، ہمن کو اژدہا، براکو پور اور ملکا کو شاہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح لحمہ کو نان، بسرہ کو گوشت، نفس کو خویش وخود، لک کو تو، لسنا کو ایادما، ہیتا کو ای (این)، اب کو پتا (پدر) پڑھتے تھے۔ ابن المقفع پہلوی میں ایسے الفاظ کی تعداد ایک ہزار بتاتا ہے، اور متشابہات کی مثال یوں دی ہے۔

مثال ذالک انہ من اراد ان یکتب گوشت کتب بسرا ویقراہ گوشت علی ھذا المثال... واذا اراد ان یکتب نان کتب لحما ویقرءہ نان علی ھذا المثال وعلی ھذا کل شیٔ ارادوا ان یکتبوہ	مثلاً اگر گوشت لکھنا ہو تو لکھتے تھے بسرا (بسرا ......) اور پڑھتے تھے گوشت اگر نان لکھنا ہو تو لکھتے تھے لحما (یوں لحما [illegible]) اور پڑھتے تھے نان غرض جو لکھنا ہوتا تھا اسی طرح لکھتے تھے

اس طرز کا نمونہ کسی قدر انگریزی تحریر میں مل سکتا ہے جیسے پونڈ کیلئے lb لکھتے ہیں جو لاطینی لفظ لبرا Libra کا مخفف ہے اور پڑھتے پونڈ ہیں۔ اسی طرح ڈینارئیس Denarius کا مخفف d ڈ لکھ کر پینس پڑھتے ہیں۔ یا مروجہ اردو سیاق کو لے لیجئے کہ [illegible] تمام رقوم بلا استثنا عربی الفاظ کی مختلف صورتیں ہیں مگر پڑھتے اپنی زبان میں ہیں۔ انگریزی اردو میں تو

ایسی مثالیں بر سبیل استثنا ہیں مگر پہلوی میں ارامی الفاظ کی بھرمار ہے۔

پانچ زبان اور سات رسم خط

ابن المقفع متوفی سنہ ۱۴۲ھ

جو مجوسی سے مسلمان ہوا تھا۔ پہلوی کا بہت بڑا عالم تھا اور بہت سی پہلوی کتابیں پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیں۔ ایران کے متعلق علوم و فنون مذاہب و رسوم اور تمام معلومات تاریخی و علمی کے لئے اس شخص کا کلام سند مانا جاتا ہے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں پانچ مختلف زبانوں اور سات مختلف رسم خط کا خلط مبحث تھا اور ہر طبقہ کیلئے علیحدہ علیحدہ زبانیں مخصوص تھیں الفہرست ابن الندیم سے ہم ان کی تفصیل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں

قال عبد الله بن المقفع لغات الفارسیة[1] الفهلوية والدرية والفارسية والخوزية والسريانية فاما الفهلوية فمنسوب الى فهلة اسم يقع على خمسة بلدان وهي اصفهان والري وهمدان وماه نهاوند واذربيجان واما الدرية فلغة مدن المدائن . . . واما

عبداللہ ابن المقفع کا بیان ہے کہ فارسی زبانیں یہ ہیں۔ پہلوی جو پہلہ کی طرف منسوب ہے۔ اس نام کا اطلاق پانچ شہروں اصفہان، رے، ہمدان، ماہ نہاوند اور آذربیجان پر ہوتا ہے دری مدائن کے شہروں کی زبان ہے۔ فارسی زبان میں موبد اور علماء وغیرہ کے قبیل کے لوگ کلام کرتے ہیں اور یہ اہل

[1] الفہرست ابن الندیم مطبوعہ لیپزک صفحہ ۱۳-۱۲۔

الفارسية فيتكلم بها الموابذة والعلماء
واشباههم وهي لغة اهل فارس
واما الخوزية فبها كان يتكلم الملوك
والاشراف في الخلوة وموضع اللعب
واللذة ومع الحاشية واما السريانية
فكان يتكلم بها اهل السواد والمكاتبة
في نوع من اللغة بالسرياني فارسي ۔
وقال ابن المقفع للفرس سبعة انواع
من الخطوط منها كتابة الدين تدعى
دين دفتريه يكتبون بها الوستاق
وهذا امثالها..... وكتابة
اخرى يقال لها ويش دبيريه وهي
٣٦٥ حرفاً يكتبون بها الفراسة
والزجر وخرير الماء وطنين الآذان
واشارات العيون والايماء والغمز
وما شاكل ذلك وليس لهم احد
قلمها ولا في ابتدائها الفرس من يكتب بها

فارس کی زبان ہے خوزی سلاطین اور
روساء کی تنہائی اور عیش و جشن کی زبان تھی
سریانی میں غلام گفتگو کرتے تھے۔
ابن المقفع کہتا ہے کہ اہل فارس کے ہاں
سات تحریریں جاری تھیں ایک دینی رسم
خط جس میں اوستا کے تمام حصص لکھے جاتے
تھے اس کا نمونہ یہ ہے .... دوسری
ویش دبیریہ کہتے تھے یہ ٣٦٥ حرفوں پر
مشتمل تھی۔ یہ سحر شعبدہ فال اور رموز کے
لکھنے کیلئے مخصوص تھی۔ اس کا نمونہ میری
نظر سے نہیں گزرا۔ تیسری کتابت گشتگ میں
٢٨ حروف تھے اوستا و زند اور دیگر
اسی تحریر میں لکھے جاتے تھے [illegible]

بها اليوم ...... وكتابة اخرى
يقال لها الكستج وهي ثمانية وعشرون
حرفا يكتب بها العهود والموريـ
والقطائع وبهذه الكتابة كانت
تنقش خواتيم الفرس وطرز ثيابهم
وفرشهم وسكة دنانيرهم ودراهمهم
وكتابة اخرى يقال لها نيم كستج يكتب
بها الطب والحكمة وكتابة اخرى يقال
لها الشاه دبيره وكانت الملوك
الاعاجم يتكلمون بها فيما بينهم
دون العوام ويمنع منها سائر اهل
المملكة حذرا من ان يطلع على اسرار
الملوك من ليس منهم ولم تقع الينا
وكتابة الرسائل على ما يجري
به اللسان وليس فيها نقط ويكتب
بعضها بلغة السريانية الاولة التي
يتكلم بها اهل بابل ويقرأ بالفارسية

کپڑوں، پردوں، فرشوں، سکوں پر
بھی منقوش ہوتی تھی اس کا نمونہ یہ ہے
.... چوتھی کتابت نیم کستج تھی جس میں
۲۸ حروف تھے طب و حکمت کے لئے
مخصوص تھی اسکا نمونہ یہ ہے ....
پانچویں کتابت شاہ دبیریہ بادشاہوں
کی گفتگو کے لئے مخصوص تھی اور تمام رعایا
ملک کو ممنوع تھی تاکہ بادشاہوں
کے راز کھلنے نہ پائیں اسکا نمونہ میری نظر
سے نہیں گذرا .... چھٹی
تحریر راسہ دبیریہ کہلاتی تھی - یہ بے نقط
تھی اس کے اکثر الفاظ سریانی میں لکھے
جاتے تھے جو اہل بابل کی زبان تھی اور
فارسی میں پڑھے جاتے تھے اس میں ۳۳
حروف تھے یہ رعایا کے لئے عام تھی اور
نمونہ یہ ہے .... ساتویں تحریر
راز سہریہ تھی جس میں سلاطین اپنے

وعدد حروفها ۳۳ يقال
لها نامه دبيريه وهام دبيريه وهي
لسائر اصناف المملكة خلا الملوك فقط
وهذا امثالها ......
وكتابة أخرى يقال لها
راز سهريه كانت الملوك تكتب
بها الاسرار مع من يريدون
من سائر الامم وعدد
حروفها واصواتها اربعون
حرفا لكل واحد من
الحروف الاصوات صورة
معروفة ...... ولهم
كتابة اخرى يقال لها راس
سهريه يكتب بها المنطق و
الفلسفة وهي ۲۴ حرفا
وفيها نقط ولم تقع الينا[1]

راز کی باتیں لکھا کرتے تھے ہیں کے حروف
اور آوازوں کی تعداد ۴۰ تھی ....
ان سات کے علاوہ ان کی ایک تحریر
تھی راس سہریہ جس میں منطق و فلسفہ
لکھے جاتے تھے اور ۲۴ حروف منقوط تھے۔
اس کا نمونہ میری نظر سے نہیں گذرا ....[1]

(تم کلامہ)

اسی طرح حمزہ اصفہانی کا بیان ہے
کہ مجوس کی تمام کتب تاریخ محرف وغیرہ
صحیح ہیں اس لئے کہ وہ ڈیڑھ سو برس کے
بعد ایک زبان سے دوسری زبان میں اور
ایک خط سے جو اعداد سے مشابہ تھا دوسرے
خط (پہلوی) میں نقل کی گئیں۔ اور اسی
کا نتیجہ تھا کہ ایک کتاب کے ترجمے مختلف
نظر آتے ہیں چنانچہ مجھے ایک خداے
نامہ کے آٹھ مختلف ترجمے ملے[2]

[1] الفہرست ایضاً صفحہ ۱۳، [2] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحہ ۹۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ملک ایران کے مختلف علاقوں اور جدا جدا سوسائیٹیوں میں علیحدہ علیحدہ مقاصد کے لئے الگ الگ پانچ زبانیں اور آٹھ رسم الخط جاری تھے اور یہی راز ہے اس عہد کے ایران کی قومی پراگندگی و تشتت اور علمی تہی دستی کا۔

اس ناقص تحریر کی دشواریاں خود ساسانی عہد میں محسوس ہوئیں ہیں لہٰذا ژند کا ترجمہ پاژند کی صورت میں کرنا پڑا اور یہی سبب ہے ایران کے کتبوں میں پہلوی متن کے نیچے کئی کئی ترجمہ پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایران نے فن تحریر ارامی سے سیکھ تو لیا مگر اس طرح ارامی الفاظ کے صرف نقوش اتار لیتے۔ اور ان کے معنی اپنی زبان میں سیکھ لیتے تھے ان کے مرادف الفاظ ان کی زبان میں ہوتے بھی ہوں گے تو ان کو لکھنا نہ آتا تھا۔ اسلئے بجنسہ ارامی الفاظ لکھتے اور پہلوی میں پڑھتے تھے۔ ایسی تحریر جسمیں دو سطر کتبہ بھی بغیر دو تین ترجموں کے پڑھا جانا مستبعد نہ سمجھا گیا ہو، کسی لٹریچر کی حامل کیونکر ہو سکتی تھی؟ اس کو فنا ہونا تھا اور فنا ہو گئی۔ ایسے مٹانے کے لئے نہ عربوں کی تلوار کی ضرورت تھی۔ نہ عبداللہ بن طاہر کی آتش زنی و غرقابی کی۔

جس طور پر انہوں نے ارامی الفاظ پہلوی میں استعمال کئے ہیں ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے صرف و اشتقاق سے ناواقف

تھے کیونکہ وہ "تو" ضمیر حاضر مرفوع کے لئے "لک" ضمیر حاضر مجرور اور "دا" (پہلوی اما) ضمیر متکلم مرفوع کے لئے "لنہ" (عربی لنا) ضمیر متکلم مجرور استعمال کرتے تھے۔ نوشتن یا نبشتن کیلئے وہ "کِتبون تن" لکھتے تھے۔ گویا کِتبون مادہ ہے جس میں "تن" علامت مصدری لگا کر مصدر بنا لیا۔ اسی طرح فارسی میں رشتوں کے ناموں میں "ور" (پہلوی تر) مشترک پایا۔ جیسے پدر (پہلوی پتر) برادر (پہلوی براتر)، دختر وغیرہ۔ انھوں نے باپ کیلئے ارامی "اَب" میں بھی "تر" لگا دیا اور "ابتر" یعنی پدر لکھنے لگے[1] علیٰ ہذا القیاس بہتیرے ارامی الفاظ کے طریق استعمال سے یہ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ارامی لٹریچر جو یونانی علوم کا حامل تھا بالکل کورے تھے فتح اسکندری سے ساڑھے پانچسو سال تک کسی ایرانی علمی تحریر کا پتہ یا تہذیب و تمدن کا نشان نہ ملنا اور یہ حیرت انگیز تاریخی سناٹا زیادہ تر ایران کے اس نقص زبان و تحریری کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

زبان کا اثر تہذیب و مذہب پر | پروفیسر براؤن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے نکتہ سنجی کی ہے:۔

"کیانیوں کے سب سے پچھلے کتبوں کے مطالعہ سے ایک عجیب سوال

[1] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر نولدیکی مندرجہ انسکلوپیڈیا برٹیانیکا بہ تحت "پہلوی" ۱۲۱۶

پیدا ہوتا ہے۔ کیا زبان کے زوال کو قوم کے زوال سے کوئی لطیف واسطہ ہے؟ انگریزی زبان کے فاضلوں کو بیسیوں نے کہتے سنا ہے کہ اینگلو سیکسن (قدیم انگریزی زبان) کا جنگ ہیسٹنگز (۱۰۶۶ء) سے پہلے ہی صحیح لکھا جانا موقوف ہو گیا تھا اور نارمن حملہ سے پہلے ہی حالت زوال میں تھی۔ قدیم پارسی زبان کا حال بھی یہی تھا چنانچہ کتبوں کی تحریر میں صیغوں تک کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ زبان کے زوال کے ساتھ مذہب کے بگاڑ کے آثار بھی شروع ہو گئے۔ دارا کے کتبوں میں اہرمن خدائے واحد و قادر مطلق بتایا جاتا ہے مگر بعد کو وہ متھرا (مہر۔ سورج) اور اناہیتہ (ناہید۔ زہرہ) کے ساتھ جذب ہو گیا۔

سامی اثر مذہب ایران پر ایران قدیم پر سامی اثرات صرف زبان تک محدود نہ تھے بلکہ دین زرتشتی کے غائر مطالعہ سے مغربی نکتہ پردازوں نے خود اوستھا از ندا اور پازند میں سامی اصنام پرستوں کے عقائد کی آمیزش پائی ہے چنانچہ مہریشت ۱۳ میں خدائے نور متھرا (مہر۔ سورج) کی جو تشریح ہے وہ عہد مسیحی میں بابل سے ماخوذ بتائی جاتی ہے اسی طرح خدائے آب اناہیتہ (ناہید۔ زہرہ) کو بھی جس کا بت ارتخشتہ منمن نے نصب کر کے اسکی پرستش مجوسیوں میں جاری کر دی تھی۔ بابلی دیوی میلتا کی نقل کہا جاتا ہے [1] انہیں فضلائے یورپ نے اہل ایران کی بت پرستی کی طرح ان

[1] ملاحظہ ہو ژند اوستھا از ڈاکٹر میچل صفحہ ۱۵۱، ۸۰، الیپزڈاکٹر ماک صفحہ ۱۶، ۳۰۳، ۳۰۷، ایضا (اوستھا) باب ۵۳، ۲۵

کی توحید پر بھی سامی ہی اثر تسلیم کیا ہے۔ انتانیکم کے مشہور ماہر مسٹر طامس نے ۱۹۲۸ء
میں حاجی آباد کے تمام پہلوی کتبوں کو شائع کیا اور ان سے یہ مسئلہ ثابت
کیا کہ اکثر ملوک ساسانی یہود و نصاریٰ کے رب پر ایمان رکھتے تھے۔

تیسری صدی عیسوی کے آغاز کا مشہور مدعی نبوت مانی جس کی
تعلیم و عقائد دسویں صدی عیسوی کے وسط تک ایران میں علانیہ و خفیہ کام
کرتے رہے ۲۱۵ء میں بابل میں پیدا ہوا جہاں اس کا باپ ہمدان سے جا بسا تھا
اور بابل ہی میں اس نے پرورش پائی بقول البیرونی یہ ایک شامی مسیحی راہب
فادرون کا شاگرد تھا مانی نے جس طرح اپنے مذہب کو مجوسی اور نصرانی ادیان
سے اخذ کیا اسی طرح اپنا مخصوص رسم خط بھی جس میں اس کے صحیفے مرقوم ہیں سریانی
اور فارسی سے استخراج کیا چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے۔ استخرج مانی مذهبا
من المجوسية والنصرانية وكذالك القلم الذي يكتب له الديانات مستخرج
من السرياني والفارسي .... وهذا القلم يكتبون اناجيلهم وكتب شرائعهم[۱]

عربی اثر ادبیات و معاشرت ایران پر

آخری ساسانی دور میں
بھی ایران عربی ادبیات کے اثر سے خالی نظر نہیں آتا بہرام گور (۴۳۰-۴۳۸ء)
کو منذر فرمانروائے حیرہ نے فارسی، عربی، یونانی، زبانوں کی تعلیم دلوائی تھی۔ وہ
عربی میں بے تکلف شعر کہتا تھا۔ محمد عوفی نے اس کا عربی دیوان شعر دیکھا تھا اور
لباب الالباب میں اس کے چند شعر بھی نقل کیے ہیں اور کلام عرب کے تتبع میں

[۱] الفہرست مطبوعہ لیزگ صفحہ ۳۲۸

فارسی شعر کا موجد اسی کو قرار دیا ہے۔ [1]

بعض دفعہ عربی زبان اور معاشرت کا اثر عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا اور شاہان حکمرانی بھی اس تاثیر سے مانع نہ ہوتی تھی۔ عصر نبوی میں مملکت ایران کی طرف سے یمن کا عامل خرہ خسرو بالکل متعرب بن گیا تھا۔ عربی شعر و سخن کا چرچا اور مذاکرہ رکھتا۔ عربی طرز پر تعلیم حاصل کی۔ عربی معاشرت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ ایران سے اپنے تعلقات بھی منقطع کرلئے۔ آخر اسی لغزش کے جرم پر وہ معزول کیا گیا۔

ایران کا تلمذ شام و عراق سے

پروفیسر براؤن جرمن محقق کارل بروکلمان سے ناقل ہیں کہ:-

"شام و عراق اسکندر اعظم ہی کے زمانے سے یونانی تہذیب کے زیر اثر رہے۔ پھر شام میں رومیوں اور بازنطینیوں کے اقتدار نے بھی اس تاثر کو جاری رکھا۔ اہل شام طبع زاد تصانیف کی طرف تو زیادہ مائل نہ تھے مگر اجنبی علوم و فنون پر حیرت انگیز طور سے حاوی ہو جاتے تھے چنانچہ شامی خانقاہیں ہپوکریٹز اور گلین وغیرہ تمام نامور مصنفین کے علوم حکمیہ کا مخزن تھیں۔

ساسانی عہد میں نوشیروان نے انھیں شامیوں سے استفادہ کر کے ۵۵۵ء میں جندیشاپور میں علوم حکمت و طب کی درسگاہ کھولی تھی۔ یہ گویا یونانی و شامی اشجار کا ایک پیوند تھا جو عباسی دور تک بارآور رہا

علوم یونان کا تیسرا مرکز عراق کا شہر حران تھا جہاں کے باشندے مسیحی آبادی

---

[1] جلد ۱ صفحہ ۱۹

سے محصور رہنے کے باوجود اپنی قدیم سامی اصنام پرستی پر قائم رہے۔
ریاضی اور ہیئت میں یہ خاص مہارت رکھتے تھے زیادہ تر قدیم شامی اور
بابلی علوم کے حامل تھے، اور تازہ یونانی اثر بھی لیے جلا رہے بغیر نہ رہا۔
یہ تین ذرائع ہیں جن سے یونانی علوم کے ترجمے عربوں تک پہنچے۔
المنصور عباسی کے دربار میں تعلیم گاہ جندیشاپور کا ایک طبیب تھا جس کے
بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ عربی میں طب کی کتابیں ترجمہ کی تھیں۔
ہارون کے زمانے میں مشہور مترجم۔ یوحنا ابن ماسویہ خاص منزلت
رکھتا تھا یہ سب وہ ہی حرانی عرب تھے ....
مگر جو ترقی علم و حکمت کی مامون کے زمانے میں ہوئی ہے اور اس کے
خلاف قریب کے عہد میں جو ترجمے ہوتے ہیں انہوں نے تمام سابق
کاموں کو ہیچ بنا دیا اور ہمارے پاس اب صرف وہی آورہ گئے ہیں"
اس عبارت سے ظاہر ہے کہ عربوں کو فتح اسلام کے بعد جو علم و فن
ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ان کے سامی النسل بھائیوں ہی کے ذریعے سے۔ نہ کہ
ایرانیوں سے فتح اسکندری کے بعد تقریباً دس صدیوں تک ایک نوشیرواں
کے مدرسہ جندیشاپور کے سوا ایران میں کسی تعلیمی حرکت کا پتہ نہیں ملتا اغلباً
یہاں تعلیم و تعلم آرامی زبان ہی کے واسطے سے جاری تھا پہلوی زبان ان
علوم کی متحمل نہ تھی اس سلسلے میں تعلیم گاہ کا کوئی فیضان ایرانی دماغ پر تصنیف

وتالیف وترجمہ یا ایجاد واختراع کی صورت میں نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں نے رومی اور عرب فاتحین کیطرح ابتدائی جوش فتوحات میں اور انتہائی غفلت تعیش میں علم وحکمت میں حصہ لینا کبھی گوارا نہ کیا۔ اور نکاح[1] زمانہ مدرسہ جندیشاپور اور مابعد ایران کے اختلاط کا دور ہے۔ اس تمدنی واخلاقی زوال کے زمانے میں ان سے کسب علم کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟

علمی وروحانی تجلی برہمنوں اور قرون وسطی کے مسیحی پاذریوں کی طرح علوم ایران موبدوں اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کے طبقے میں محدود رہے۔ بقول پرفیسر براؤن "ساسانی حکومت کے زوال کے زمانہ تک موبدوں کی غفلت ورزی نے اکثر غیر مذہبی وعقلی علوم کے ساتھ اوستھا کے فلسفیانہ وحکیمانہ اجزا کو بھی دنیا سے مٹا دیا۔"

---

[1] اوستھا کے پچھلے حصوں سے قریب ترین رشتہ داروں (بھائی بہن، باپ بیٹی وغیرہ) کے درمیان مناکحت کا جواز ثابت ہے اور مجوسیوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ شاہی خاندانوں میں یہ رسم خصوصیت کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ خود پارسی روایات کے مطابق اردشیر بابکان کے باپ ساسان کے (جس سے ساسانی خاندان منسوب ہے) ایک بھائی بہن اردشیر اور ایک بہن ہمائے تھی۔ ان دونوں بھائی بہنوں کی آپس میں شادی ہوگئی جس سے دارا پیدا ہوا۔ چھٹی اور نویں صدی عیسوی کے درمیان پارسی قاضی ومفتی ایسی شادیوں کی خاص ترغیب دیتے تھے۔ ملاحظہ ڈاکٹر ہیجیل کی کتاب "زند اوستھا ومذہب پارسیان" ۱۲۔

مذہبی اجزا کو ان کے بادشاہوں کے تخیل نے کچھ کم نقصان نہ پہنچایا۔ یہ قبیح رسم اخفا خود زرتشت کے زمانہ سے لیکر نوشیروان جیسے عاقل بادشاہ کے عہد تک نظر آتی ہے۔ طبری ناقل ہے کہ زرتشت نے ایک کتاب عجیب و غریب خط میں بارہ ہزار گائے کے چمڑوں پر لکھی ہوئی گشتاسپ بادشاہ وقت کے حضور میں پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا بادشاہ نے اسے پایۂ تخت اصطخر میں محفوظ رکھوا دیا اور عام لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ممنوع قرار دیدیا۔ ابن حزم کتاب الملل والنحل میں ایک پہلوی کتاب "خدای نامہ" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ بادشاہ نوشیروان نے شہر اردشیر خرہ کے سوا تمام شہروں میں مذہبی تعلیم روک دی تھی۔ اسی اخفا کی غرض سے مختلف طبقات ملک کے لئے مختلف رسم خط کے شیوع کا حال آپ ابن مقفع جیسے مستند فاضل و عاشق فہلویات کی زبان سے ابھی سن چکے ہیں[۵۱][۵۲]

فیضان اسلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تین چار صدی پیشتر ایرانیوں کی جاہ و جلال جرأت و بسالت فتح و ظفر تہذیب و تمدن سے انکار نہیں۔ آثار قدیمہ اور یونانی تحریریں خصوصاً زینوفن کی تحریر سب سے زیادہ صحیح ہے اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہیں ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ عجمیوں نے اموی و عباسی خلافتوں میں علم کی خدمت اور ترویج و اشاعت میں عظیم الشان حصہ لیا ہے اعتراف کہ علوم عقلیہ کے علاوہ خود علوم مذہبی

---

[۵۱] نیز ملاحظہ ہو مسٹر شپلے کے زبان کی کتاب "اثرات ایران بر ادبیات مسلمانان"

[۵۲] دوبارہ ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۱۶ تا ۲۰

کی خدمت گذاری میں علمائے عجم عربوں سے بہت آگے بڑھ گئے تھے مگر صرف
ان مقدمات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اسلامی فتح ایران کے وقت
اہل عجم کی گرہ میں زر علم پہلے سے موجود تھا۔

پارسی روایات کے مطابق اسکندر نے جب ایران فتح کیا تو مجوسیوں
کی دینی کتابیں تلف کر دیں باقی کتب فلسفہ، نجوم طب، زراعت و غیرہ
ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسکندریہ اور یونان کو اٹھوا لیگیا اس طرح ایران کی جو کچھ
متاع علم تھی مرکز علم کو منتقل ہو گئی۔ پانچ صدیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی نے
قدرۃً عجم کا دماغ کند بنا کر اسے وحشت و جہالت کی پستی میں گرا دیا اور
علوم و فنون تو الگ رہے مذہب بھی بھول بھلا گئے۔ ساسانی عہد میں بعض
اولو العزم بادشاہوں نے احیاء علوم کی کوشش کی مگر وہ نسبتاً ایسی حقیر
ہے کہ مصر و یونان کے مقابلہ میں اس کا نام نہیں لیا جا سکتا مزید جہالت
کے علاوہ رسم خط کی وقت نے علوم پارسی کو پنپنے نہ دیا۔

مگر جس دن مالدار زبان عربی نے اپنے وسیع خزانے سے ان کو نعمات دیئے
اور لغات کا عالیشان خط مہیا کر دیا، ان کے دماغ کی مہر ٹوٹ گئی اور زبان چل
پڑی خود قرآن شریف جو ایک عظیم الشان لٹریچر ہے اور عربی شاعری کے
اعلیٰ نمونے ان کے سامنے آئے جیسا کہ محمد عوفی اپنے مشہور تذکرہ لباب
الالباب میں لکھتا ہے:۔

چوں آفتاب ملت حنیفی و دین محمدی سایہ بر دیار عجم انداخت لطیف طبعان
فرس را با فضلاء عرب اتفاق محاورہ پدید آمد و از انوار فضائل ایشاں
اقتباس کردند و بر اسالیب لغت عرب وقوف گرفتند و اشعار مطبوع ابدار
حفظ کردند۔ بحور آں فرو رفتند و بر دقائق بحور و دوائر آں اطلاع یافتند
...... و ہم بر آں منوال نتائج فضائلے کہ نتائج طبع ایشاں
بود بافتن گرفتند[۱]"

عباسیوں کی قدردانی علم نے تمام اقوام کو صلائے عام دی تو شام
و عراق کے یہود و نصاریٰ اور ہندی برہمن، بابلی مصری یونانی اور ہندی
علوم کے خوان نعمت سروں پر لیے ہوئے حاضر ہوئے اور عباسی دستر خوان
پر چن دیئے۔ عربوں نے اگلے ایرانیوں کی طرح شمشیر زنی اور حکمرانی کے
ذوق و شوق میں اس سے پورا حظ نہ اٹھایا۔ مفتوح ایرانیوں کے لئے اپنی
ہستی کو برقرار رکھنے اور عربوں کے دوش بدوش مسابقہ حیات میں ساتھ
دینے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی تھی کہ وہ ملت اسلام
کی (جو اب عرب و عجم کے مجموعے سے عبارت تھی) ذہنی خدمت اپنے

۱؎ جلد اول صفحہ ۳۰ - یہ نایاب کتاب پروفیسر براؤن کی ہمت سے دو جلدوں میں لندن
سے سنہ ۱۹۰۳ء اور سنہ ۱۹۰۶ء میں مع حواشی محمد عبدالوہاب قزوینی شائع ہوئی ہے آج دنیا میں یہ
فارسی شعراء کا سب سے قدیم و معتبر اور بعد کے تمام تذکروں کا ماخذ ہے ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء کے لگ بھگ تالیف ہوا۔

ذمہ لے لیں اس حوصلہ میں قدرت نے بھی ان کی یہ اعانت کی کہ عرب و عجم دو متضاد دماغوں اور قوموں کے اختلاط سے ایک ایسا قوام تیار کر دیا جس میں عرب کی عملیت اور عجم کی ذہانت مجتمع ہو گئی اسی نکتہ کو پروفیسر براؤن نے یوں ادا کیا ہے :-

"یہ فرض کر لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ مسلمانوں کی فتح ایران کے بعد دو تین صدیاں ایران کی ذہنی تاریخ کا سادہ ورق تھیں اس کے برخلاف یہ نہایت عجیب اور بے نظیر دلچسپیوں کا دور گذرا ہو۔ عہد قدیم اور عہد جدید کے تداخل واقعات کی تشکیل اور خیالات کے باہمی تجاذب و اعتدال کا زمانہ تھا کسی معنی میں بھی یہ جمود یا موت کا زمانہ نہ تھا۔ یہ بالکل صحیح ہو کہ سیاسی اعتبار سے کچھ مدت تک کے لئے ایران کی علحدہ قومی ہستی رک گئی کیونکہ یہ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت میں جذب ہو گیا۔ جو جبل الطارق سے لیکر جیحون تک وسیع تھی، لیکن قلیم دماغی میں اس نے بہت جلد وہ غلبہ حاصل کر لیا جس کا استحقاق اہل ایران کی قابلیت اور فطری جودت و ذکاوت نے اسے دے رکھا تھا۔"[۱]

ہم کسی اور موقع پر بتا چکے ہیں کہ اکثر اوقات سیاسی انقلاب

---

[۱] تاریخ علوم ایران جلد ۱ مقالہ دوم کا آخر حصہ

[۲] مضمون "سیاسی انقلابات کا اثر علوم ایران" پر مندرجہ "جامعہ" بابت جنوری گذشتہ صفحہ

ملک کے حق میں رحمت ثابت ہوتا ہے مختلف اقوام کا اختلاط دماغوں میں تازگی اور فرسودہ قویٰ میں زندگی بخشتا ہے چنانچہ ایران کا یہ انقلاب بھی اسی قسم کا تھا۔ ساسانی عہد تک ہم ایران میں کوئی قابل ذکر آثار علمیہ نہیں پاتے اہل ایران کا جوہر قابل ان کے دماغوں میں پڑا سوتا ہے۔ یکایک فتح اسلام نے ان کے جوہر کو حرکت دیکر بیدار کر دیا۔ انہوں نے عہد اسلام میں وہ ذہنی کارنامے دکھائے جن سے آجتک اکثر لوگوں کو یہ دہوکا ہو جاتا ہے کہ یہ صدیوں کی مشق دماغی کا نتیجہ ہیں مگر تاریخ اس قیاس کی تائید نہیں کرتی دراصل ظہور اسلام کے بعد ان کے حیرت انگیز علمی کارناموں کا راز اسی خارجی تحریک و اختلاط اور اس کے قدرتی اثرات میں مضمر ہے۔

ایران کا یہی اسلامی عہد وہ عہد ہے اور ایرانیوں کے یہی کارنامے وہ کارنامے ہیں جنپر وہ جسقدر چاہیں ناز کریں، مگر افسوس ہے کہ جدید ایرانی محبان وطن کے سب سے نامور اور محترم افراد بھی اپنی قومی ادبیات میں ایسے محسود روزگار اسلاف پر فخر کرنے کی بجائے افسانہ کیانی و ساسانی کے خیالی تاج کے، مسند جم اور درفش کاویانی پر ناز کیا کرتے ہیں [1]۔

[1] ملاحظہ ہوں سیاحت نامہ ابراہیم بیگ مطبوعہ کلکتہ بورڈ صفحہ ۳، ۴ و ۱۱، ۳۰ اور قومی نظمیں جو پروفیسر براون نے صحافت و شاعری ایران جدید کے نام سے شائع کی ہیں۔

قدیم علوم فارسی کی ہیئت کذائی

شاعری ایرانی شاعری کے آغاز کے متعلق بھی قیاس کے گھوڑے خوب دوڑائے گئے ہیں۔ مگر ہمارا یہی نظریہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔ کافی لغات، پہلوی سے آسان تر رسم خط، حاملین علم کی صحبت قدر دانی نسلوں کا خلط ملط، ان سب نے مل ملا کر ان کے دماغ پر صیقل سی کر دی۔ ابو العباس مروزی کے قصیدہ (سنہ ۱۹۳ھ) سے لیکر رودکی تک بڑھتے چلو صاف معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری، بندش اور خیالات کو وہی ابتدائی مرحلے طے کرنا پڑے ہیں جو ہر زبان کو اوّل اوّل کرنا پڑتے ہیں۔

دولت شاہ سمرقندی نے قدیم فارسی میں شاعری کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن سے اس کے وجود کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) بہرام گور۔ (متوفی سنہ ۴۴۰ء) جس نے بقول عوفی عربوں میں تربیت پائی تھی عربی میں شعر کہتا تھا اور فارسی عروض کا بانی ہے، ایک دفعہ شیر کا قادرانہ شکار کر کے فخریہ یہ مصرعہ بول اٹھا ع

منم آں پیل دمان و منم آں شیر یلہ

دلارام اسکی حاضر جواب محبوبہ نے برجستہ یہ مصرعہ لگا دیا ع

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ[۱]

(۲) قصر شیریں کی دیوار پر عہد خسرو پرویز (متوفی سنہ [illegible]ء) کا یہ شعر کندہ پایا گیا تھا جو عضد الدولہ دیلمی تک موجود تھا

ہژبرا بگیہاں انوشہ بدی   جہاں را بدیدار توشہ بدی

لطف یہ ہے کہ مصرعہ ثانی بجنسہ شاہنامہ میں موجود ہے۔ کیا فردوسی نے یہ مصرعہ قصر شیریں کے کھنڈروں سے اڑایا؟

(۳) پہلی صدی ہجری میں ابو حفص حکیم سغدی کا یہ شعر نقل کیا گیا

آہوئے کوہی در دشت چگونہ رودا   او ندارد یار بے یار چگونہ بودا

محققین یورپ ان روایات کی صحت میں بہت مشتبہ ہیں لیکن اگر واقعی یہ صحیح بھی ہوں تو ان کا وجود ہی ہمارے دعوے کو بوجہ اتم ثابت کر رہا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ اشعار کسی تہذیب قدیم

۱؎ گردیزی نے دونوں مصرعے بہرام گور ہی کی طرف منسوب کئے ہیں اور شعر یوں نقل کیا ہے

منم آں شیر گلہ منم آں پیل یلہ   نام من بہرام گور کنیتم بوجبلہ

دولت شاہ نے بہرام گور کے ساتھ اس کی محبوبہ کو بھی شریک کر دیا ہے اور پورا شعر بنا دیا ہے۔ قسم کی حاشیہ آرائی و رنگ آمیزی جو تاریخ پر ستم ہے، دولت شاہ سمرقندی کا خاص مذاق معلوم ہوتا ہے۔ ثعالبی نے اپنی غرر ... صفحہ ۵۵ میں بھی ابن خرداذبہ سے یوں نقل کیا ہے۔

منم آں شیر شلہ منم آں ببر یلہ   من آں بہرام گور منم کنیتم بوجبلہ

متاخرین کی اصلاحوں نے قدیم نمونوں کی تاریخی اہمیت اور بھی کم کر دی ہے۔

اور علم آشنا قوم کی تخئیل اور دماغی نشو و نما کا نمونہ ہو سکتے ہیں یا دبستانِ سخن کے ابجد خواں کی مشق اول کا؟

(۴) سنہ ۱۹۳ھ میں المامون الرشید عباسی مرو میں داخل ہوا تو بقول عوفی عباس ایک خواجہ زادہ نے اس کی خدمت میں ایک فارسی قصیدہ پیش کیا تھا جس کے صرف چار شعر نقل کئے ہیں:-

ای رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین   گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را   دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس برین منوال پیش از من چنین شعری نگفت   مر زبان پارسی را ہست با این نوع بین
لیک زان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت   گیرد از مدح و ثنای حضرت تو زیب و زین

فارسی زبان عہد غزنوی سے پہلے صنف قصیدہ ہی سے آشنا نہ تھی اس پر بندش کی یہ چستی ایک صدی کے بعد تک بھی کلام فارسی میں نظر نہیں آتی۔ ان وجوہ کی بنا پر روسی فاضل مستشرق موسیو کازیمر سکی ان اشعار کو بہت سے اور اشعار مرویہ کی طرح مشتبہ بتاتے ہیں اور پروفیسر براون بھی ان سے متفق ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ عربی قصائد کے تتبع میں اگر کسی طباع فاضل عجم نے کچھ شعر نظم کرلئے ہوں تو چنداں تعجب نہیں ہے۔ بندش کی چستی اور صفائی۔ تو اصلاح و تہذیب فارسی تذکرہ نویسوں کی عام خو چلی آتی ہے۔ اصل صورت یقیناً کچھ اور ہوگی لیکن اگر ان کو موجودہ ہیئت

میں بھی معتبر تسلیم کر لیا جائے جب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ آخری دو شعر میں شاعر خود اقرار کر رہا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے زبانِ فارسی میں یوں شعر نہ کہے اس انداز سے فارسی زبان ناآشنا ہے میں آپ کی مدح اس لئے کی ہے کہ اس ذریعے سے اس زبان کی رونق ہو جائے۔

ان اشعار کے آگے خود عوفی کی حسب ذیل عبارت اس خیال کی مزید تائید کر رہی ہے

"امیر المومنین ہزار دینار مر دے صلت فرمود بہ مزید عنایت و ملاطفت مخصوص گردانید چوں فضلا آن بدیدند ہر کس طبیعت برا و بر گماشت۔ بعد از وے کس شعر پارسی نگفت تا در نوبت آل طاہر و آل لیث شاعرے چند معدود خاستند[1]

یعنی سلطانی قدر دانی کا اثر یہ ہوا کہ ہر شخص فارسی میں شعر گوئی کی کوشش کرنے لگا مگر آل طاہر اور آل لیث یعنی حنظلہ بادغیسی متوفی ۲۱۹ھ تک کسی نے فارسی شعر نہ کہے

کلام عرب کا تتبع مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں فارسی شعراء کی تقلید عربی اور فارسی شاعری کی ابتدائی مشق کے نمونے پیش کئے ہیں اور فارسی شاعری پر عربی شاعری کے اثر کے متعلق نہایت دلچسپ اور لطیف بحث کی ہے ہم ذیل میں بتغیر ترتیب جا بجا سے منتخب عبارتیں نقل کرتے ہیں[2]:

اول اول ایرانی شعراء عربی شاعری سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے۔ مشق کی ابتداء یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے۔ آج بہت سے فارسی قطعے، فرد بلکہ قصیدے

---

[1] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۱

[2] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۴

موجود ہیں جن کو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہیں۔ اسکے بعد سیف الدولہ کے مشہور قطعہ جس میں قوس قزح کی تشبیہ ہے۔ اور ابونواس کے مشہور قطعہ کلا مر اللیل بجوہ اشعار اور دوسرے عربی کلام کے فارسی تراجم کے نمونے دکھا کر بتایا ہے کہ اس پردہ میں سرقہ شروع ہو گیا۔ عنصری، اسدی، کسائی، غضائری کے ہاں بہت سے مضامین ہیں جو قطعاً عرب سے لئے ہیں۔ لیکن چونکہ لوگوں کی نظر کلام عرب پر نہیں ہے۔ اسلئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ نہیں خیال کیا مولانا نے اس قسم کے سرقات کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

تقلید اس قدر گوارا ہوتی تھی کہ عربی قصائد کے ڈھانچے ترتیب اور جزئیات تک کی ہو بہو نقل کی جاتی تھی ”عربی قصائد کی تمہید میں اکثر ممدوح یا معشوق کے ملنے کے لئے سفر کرنیکا حال لکھتے ہیں۔ اور رستے کی سختی، پہاڑوں کی چڑھائی گھوڑے کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکرے لے طول دیتے ہیں، فارسی میں بھی قدیم شعراء کا یہی انداز تھا جو آخر متروک ہو گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امرؤ القیس نے اپنا مشہور قصیدہ معلقہ اس تمہید سے شروع کیا ہے۔

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل ٭ بسقط اللوى بين الدخول فحومل

ساتھیو ٹھہر جاؤ۔ یہ معشوق کا اُجڑا ہوا گھر (ڈیرے کا نشان) ہے آؤ معشوق کی یاد میں دو آنسو بہا لیں۔ یہ انداز اس قدر مقبول ہوا کہ ایک مدت تک شعراء قصیدہ کی ابتداء انہیں لفظوں سے کرتے تھے۔ فارسی شعراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

لامعی جرجانی کہتا ہے۔

ہست این یاریار، اگر شاید فرود آرم جمل — پرسم رباب و عدر آعال از رسوم و از طلل

جائے ہے بینم خراب، اندر میان او سحاب — آتش زدہ گاہ و گہ آب از قوت برق و ہطل

در خانۂ سعدی و مے آنکہ از کف آں ہر دو مے — خوردم و دو جام اندر دو مے، این ز تسنیم آں ز بلیا

بانگ پلنگ آید ہمی، فریاد زنگ آید ہمی — آشوب سگک آید ہمی چوں گاہ زلزال از قُلل

گوئی کجا رفت آں صنم کو بود در عالم علم؟ — خوردہ دم عذرا بہ دم پردہ دل وامق بدل

بردارد از دلم صبر و خرد چوں بانگ بر آں ناقہ زد — کاریم پیش آوردہ بدہا توقّی وا تحمّل

جس نے سبعہ معلقہ کا ایک قصیدہ بھی پڑھا ہوگا وہ اس فارسی قصیدہ میں صاف دیکھ لیگا کہ مضامین، طرز سخن، تشبیہات، استعارات یہاں تک کہ قوافی میں بھی جاہلی قصائد کی پوری پوری نقالی ہے۔

منوچہری دامغانی اور عمعق بخاری نے متعدد قصیدے اسی طرز پر لکھے ہیں۔ "شعرائے عجم ہر موقع پر اعتراف کرتے ہیں کہ شاعری میں اُنکے استاد عرب ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ منوچہری اپنے ایک ہمعصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الا ہبی بصحنک فاصبحینا

سبعہ معلقہ کے ایک قصیدہ کے مطلع کی طرف اشارہ ہے۔ انوری کہتا ہے:۔

شاعری دانی کدامی قوم کردند؟ آنکہ بود — اوّل ایشاں امرء القیس آخر ایشاں بو فراس"

اس کے بعد منوچہری، انوری وغیرہ کے متعدد شعروں سے عربی تتبع کی مثالیں

دی ہیں۔ تلمیحات اکثر عرب کی ہیں مثلاً عشق و عاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہیں۔ ایران میں ہزاروں پری پیکر معشوق گذرے لیکن شاعری نے لیلیٰ کو انتخاب کیا اور اس حد تک وسعت دی کہ معشوق اور لیلیٰ مرادف لفظ بن گئے لیلیٰ کے علاوہ کہیں کہیں اور کسی کا ذکر آجاتا ہے تو سلمیٰ، عذرا، دعد، رباب کا آتا ہے کہ یہ بھی عرب کے معشوق تھیں اسی طرح عاشقی کا سلسلہ بیعت مجنوں تک منتہی ہوتا ہے جس کے لئے حضرت یوسف کام آتے ہیں۔ ازیں قبیل دیدۂ یعقوب، چاک پیراہن، چاہ کنعاں، خواب زلیخا زندان یوسف، آدم، گندم، طوفان نوح، قربانی اسمٰعیل، بت شکنی خلیل، صبر ایوب تخت سلیمان، بلقیس، ہُدہُد، ید بیضا، عصائے موسیٰ، وادی ایمن، شمع طور اعجاز مسیح شراب طہور، حور و غلماں، ہنگامۂ محشر، صبح محشر، روح القدس وغیرہ اسلامی الفاظ بطور تلمیحات اس کثرت سے فارسی شاعری میں داخل ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا"۔ الغرض عجمی طفل شعر نے عرب دایۂ شاعری کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اور اسکی گود میں جوان ہوا۔

بھاٹ یا شاعر قدیم پارسی شاعری کی تلاش میں باربد اور تین چار اور بھاٹوں کا ذکر کیا گیا ہے عرب شاعر خالد بن فیاض نے جو اول صدی ہجری کے آخر میں گذرا ہے باربد کا افسانہ عربی میں لکھا ہے۔ باربد ایک بھاٹ تھا جو خسرو پرویز کو گا بجا کر خوش کیا کرتا تھا۔ یہ نہایت مغلوب الغضب بادشاہ تھا جب کوئی ناگوار بات اسکے کانوں تک پہنچانا ہوتی تو اہل دربار باربد کی موسیقی اور بول کے ذریعے آگاہ کرتے تھے چنانچہ بادشاہ کے شبدیز نام گھوڑے کی موت کی خبر باربد نے اُسے

کس طرح گا کر دی ہو خالد نے عربی نظم میں اُس کو بتایا ہو مگر عربی میں اس قسم کے
چٹکلے اور افسانے بہت ہیں جنکو تاریخی رنگ دیکر دلچسپ اور مقبول طبع بنایا گیا ہے،
عنترہ کے کارناموں کا پورا افسانہ، سیر شہر سبا کی کیفیت، الف لیلہ کی بعض تاریخ
نما داستانیں۔ حماد الراویہ کی کہانیاں، یہاں تک کہ ہابیل کی موت پر حضرت آدم
کا مرثیہ اور ابلیس کا جواب عربی نظم میں موجود ہیں جو بالکل قابل اعتنا نہیں۔ دوسرے
اگر باربد کی اصلیت تسلیم بھی کیجائے تو اسکے بول شعر نہ تھے چنانچہ عوفی کا بیان ہے

"نوائے خسروانی کہ آں را باربد در صوت آوردہ است بسیار است فاما از وزن شعر و قافیہ
و مراعات نظائر آں دور است بداں سبب تعرض بیان آن کردہ نیامد"[1]

درحقیقت بھٹی اور شاعری دو چیزیں ہیں، الگ الگ۔ اور بھاٹوں کا وجود
بجائے تہذیب تمدن کی علامت کے ہمیشہ اور ہر ملک کی تاریخ میں وحشت و
بدویت کی نشانی رہا ہے۔ آجتک غیر مہذب پہاڑی علاقوں میں بھاٹ پائے
جاتے ہیں جو قومی افسانے گایا کرتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے دور وحشت میں امیروں
کے درباروں میں آزاد آوارہ گرد بھاٹ پہنچا کرتے تھے جنکی صحیح تصویر مشہور افسانہ
نویس اور قومی شاعر سر والٹر سکاٹ نے اپنی تصانیف میں کھینچی ہے۔ اسی طرح کوہسار ویلز
میں بھی بھاٹ تھے اور سرحدی پٹھانوں میں بھی موجود ہیں مگر ان کا وجود تمدن
و تہذیب اور علم و ادب سے جو کچھ علاقہ رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

[1] جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ لباب الالباب

دولت شاہی روایت

رہی دولت شاہ سمرقندی کی روایت جو آغاز مضمون میں نقل کی جا چکی ہے یعنی عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کی طرف فارسی لٹریچر کی غارت گری کی نسبت اور صاحب مجمع الفصحا کا ملکم کی طرح تعمیم کر کے عام عربوں کی طرف اس وحشت کو منسوب کرنا، اول تو یہ چھوٹا مضمون صرف دولت شاہ کی فکر رسا کا نتیجہ ہے اور دولت شاہ کی اکثر روایتوں کی طرح بے سند، پھر محمد عوفی اپنے مستند و معتبر تذکرہ لباب الالباب میں جو خود مجمع الفصحا مولفہ رضا قلی خاں مذکور کا بھی ماخذ ہے "باب سوم در معنی اول کسے کہ شعر گفت، باب چہارم در معنی اول شعر پارسی کہ گفت" جیسے مستقل باب باندھ کر ان مسائل پر تفصیل سے بحث کرتا ہے آج عام تذکروں میں اولین شعرائے پارسی کے جو نمونے منقول ہیں تقریباً سب کے سب اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ مگر قصۂ وامق و عذرا اور عبداللہ بن طاہر کا افسانہ کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ آل طاہر کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"اگرچہ فیض انعام ایشاں عام بود فاما ایشاں را در پارسی و لغت دری اعتقاد نبود۔ دراں عصر شعراء دریں فن کمتر خوض کردند، اما در عہد ہمیون ایشاں شاعر شکر سخن حنظلہ نام از بادغیس .... [۵۱]"

اس کے بعد حنظلہ بادغیسی اور دوسرے اولین شعرائے فارس کے کلام جمع کیے ہیں اس مقام سے بہتر مثنوی وامق و عذرا کے ذکر کا اور کونسا موقع

---

۵۱ لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۔

ہو سکتا تھا۔ عنصری کی تصانیف کے ضمن میں اس مثنوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر وہاں
بھی اس واقعہ کا کوئی نشان نہیں۔ پھر درایۃً یہ ناممکن محض معلوم ہوتا ہے کہ
خراسان کے گورنر کے حکم سے ساری دنیا کا فارسی لٹریچر فنا ہو جاتے۔ زیادہ سے
زیادہ خراسان میں یہ حکم چل سکتا تھا، باقی ملک ایران میں عبداللہ کا کیا دخل ہو

فارسی اصطلاحات علمیہ

پروفیسر آزاد نے سخندان فارس
میں پہلوی و فارسی قدیم کی اصطلاحات فلسفیہ کا کچھ نمونہ پیش کر کے پارسی قدیم کی
مالداری کا ثبوت دیا ہے اور اپنے مخصوص ادیبانہ طرز میں اسکے فنا پر سینہ کوبی کی ہے
مگر حسب عادت اپنا ماخذ بتایا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری اصطلاحات
پارسی جن پر ماتم کیا گیا ہے ظہور اسلام سے بہت بعد کی کوشش ہیں کیونکہ اوستھا
اور اسکی شروح کے سوا فلسفہ وغیرہ پر فارسی قدیم یا پہلوی میں آج دنیا میں جو
کچھ اجزاء موجود ہیں وہ چودھویں صدی عیسوی (سنہ ۱۳۲۳ء) تک کے لکھے ہوئے ہیں

ایرانیوں کی حب وطنی نے انہیں ہمیشہ سے غیر مخلوط خالص پارسی کے
شیوع کا متمنی اور ساعی رکھا ہے۔ یہ کوشش بے سود ہی عہد فردوسی سے لیکر
آج تک وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے۔

محمد صالح دربار شاہجہانی کا مصنف تھا اس نے اپنی ایک کتاب عمل صالح میں
عربی اصطلاحات کی بجائے خالص فارسی اصطلاحات گھڑی تھیں جن کا نمونہ یہ ہے۔

قصیدہ کے لئے چکامہ۔ تخلص کیلئے واغ

غزل	کیلئے	چامہ[1]	نثر	کیلئے	پراگندہ
وزن شعر	”	دم	نظم	”	پیوستہ[2]
ردیف	”	پساوند			

اخبار روزنامہ ایران سلطانی نمبر ... مورخہ ۱۳۲۱ ہجری میں لفظ ابو المظفر صادق فراہانی کے نام سے ایک منظوم فرہنگ شائع ہوئی تھی چند لفظ یہ ہیں:-

پاک	کے لئے	یزدان	صراط	کے لئے	چینود
خدا	”	ایزد	بہشت (باغ)	”	مینو
حق	”	مزدہ	افعال مسنون	”	چنسب
نبی	”	وخشور	سحر	”	فرہ
شرح	”	آئین	معجزہ	”	فرہود
نظام	”	دهناد	فاضل دنیا	”	فرحاد
پوشش	”	گرزہاں	کعبہ	”	آباد
کرسی	”	زیرگہ	قرآن	”	نوی
ثواب	”	کرفہ	مسجد اقصیٰ	”	گنگ دژ ہوخت

[1] فردوسی نے چامہ گیت کے معنوں میں استعمال کیا ہے

[2] فردوسی نے پیوستہ کسی نہ کسی صفت کے ساتھ لاکر اسے نظم کے مفہوم میں مجازاً استعمال کیا ہے جیسے گویا پیوستہ۔ حدیث پیوستہ۔

عذاب کیلئے بزہ

ایسے ہی نوعمر و نوخیز الفاظ کی بنیاد پر ایک مدعی تحقیق پادری صاحب نے اسلام کے تمام عقائد معاد کو زرتشتی دینیات سے ماخوذ ثابت کیا ہے۔ [1]

پہلوی ادبیات باقیہ پر ایک نظر

اخیر ساسانی عہد کی پہلوی ادبیات بھی جو کچھ آج موجود ہیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بجائے تاریخ و مذہب و تمدن ایران پر روشنی ڈالنے کے وہ اسے تاریک سے تاریک تر بنا رہی ہیں ایک طرف اوستھا اور ژند کیومرث کو حضرت آدم قرار دیتی ہیں دوسری طرف [2] دساتیر کا بیان ہے کہ کیومرث کے قبل ایک پیغمبر مہاباد گذرا ہے جس سے موجودہ نوع انسان کی نسل چلی ہے انہیں قدیم مجوسیوں کا یہ فلسفہ بھی درج ہے کہ زمانہ بہت دوروں میں منقسم ہے۔ ہر دور سے میں ایک خلقت پیدا ہوئی، رہی اور پھیلی پھر تدریجاً فنا ہو گئی۔ آخر میں صرف ایک مرد و عورت بچ رہے جن سے آئندہ دورہ چلا و علیٰ ہذا القیاس مہاباد

---

[1] ینابیع الاسلام مطبوعہ ایران جسے سر ولیم میور نے ترجمہ کر کے خوب چمکایا اور اچھالا ہے اس کا نام دی سورسز آف اسلام رکھا ہے۔

[2] یہ اوستھا اور ژند یا ژند سے بالکل الگ ایک قدیم کتاب ہے جو سنہ [illegible]ء میں عہد خسرو پرویز میں پہلوی میں ترجمہ ہوئی اس میں شاہان ایران کے نامے یا الہامات ہیں جن کے بیان کے مطابق ایران کے تمام شاہان پیشین خدا کا الہام تھے۔ زیادہ تر آفرینش عالم سے بحث کی گئی ہے جو اوستھا سے بالکل مختلف ہے۔

آخری دورے کا بابا آدم ہے جس نے تمدن کے سارے سامان ایجاد کئے اس کے زمانہ میں دنیا میں بہشت کا امن و عیش میسر تھا۔ مہاباد کے خاندان کے بعد ایک پیغمبر جی افرام نے عنان حکومت سنبھالی۔ اس خاندان کی جسے جیانیاں کہتے ہیں مدت حکومت ایک سپار سال بتائی گئی ہے جو ان کے حساب سے ایک ہزار ملین یا دس کروڑ سال کے برابر ہے[۵]!
مورخین یونان پیشدادی یا ان سے پہلے خاندانوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

شاہنامہ فردوسی کو آج ہم محض شاعرانہ افسانہ سمجھتے ہیں لیکن یہ مثنوی بھی بلحاظ واقعات زیادہ تر پہلوی تصنیف کارنامک رخشتر پابکان (کارنامہ اردشیر پابکان) اور خدای نامک کا چربہ ہے۔ آخر الذکر کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع اور دوسرے فضلا کے پانچ چھ مختلف عربی تراجم کے ذریعہ سے دنیائے اسلام میں مشتہر ہو چکی تھی اگرچہ اب اصل پہلوی متن نایاب ہے۔ یہ غالباً یزدگرد سوم کے عہد کی تالیف تھی اسی طرح کارنامہ اردشیر ۶۰۰ء کی تالیف بتایا جاتا ہے لہذا ان دونوں کتابوں کو پہلوی لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ کارنامہ اردشیر دستبرد زمانہ سے بچ رہا ہے جس کا جی چاہے کسی

[۵] تاریخ ایران سر جان ملکم جلد اول باب دوم۔ تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۴ھ صفحہ ۱۰

ایک بحث پر اس کارنامہ اور شاہنامہ دونوں تصانیف کو پہلو بہ پہلو رکھ کر سر جان ملکم اور پروفیسر براؤن کی طرح مقابلہ کرے۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق کیومرث کی طرف سے اس کے حریف کے مقابلے میں شیر اور بھیڑئے بھی لڑے اور اس کے دشمنوں کا نام و نشان جہاں سے مٹا دیا جمشید، ضحاک، فریدون، زال و رستم، ہفتخواں، اسکندر و دارا کی مشہور بے تکی کہانیوں کی عام شہرت محتاج تکرار نہیں۔

تاریخی قصوں میں رنگ آمیزی جائز ہو تو ہو مگر آج تک کسی نے خود سنین و تواریخ میں مبالغہ جائز نہیں رکھا شاہان شاہنامہ کی مدت پادشاہی قابل دید ہے۔

(۱) شاہان پیشدادی

جملہ مدت سلطنت ۱۳۱۴ سال

سلطنت جمشید	۱۰۰۰	"
" فریدون	۵۰۰	"
" منوچہر	۱۲۰	"

(۲) شاہان کیانی

جملہ مدت سلطنت ۷۳۲ سال

سلطنت کیقباد	۱۰۰	"
" کیکاؤس	۱۵۰	"
" لہراسپ	۱۲۰	"
" گشتاسپ	۱۲۰	"

بہمن اردشیر درازدست ۱۱۲ سال ؍؍ مدت سلطنت

طبری، ابو معشر، حمزہ صفہانی اور دوسرے مسلم مورخین نے بھی پہلوی ماخذوں ہی سے کم وبیش یہی مدتیں نقل کی ہیں۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ میں زال و سیمرغ کی داستان نقل کرکے معذرت کی ہے کہ "میں ان افسانوں سے بری الذمہ ہوں اگر تاریخ ایران میں یہ داستانیں یوں ہی علی التواتر بیان ہوتی چلی نہ آتیں تو میں ان کا ذکر نہ کرتا اس زمانہ کی عجیب عجیب باتیں منقول ہیں۔ مثلاً ہزار ہزار سال کی عمریں اور جن و شیاطین کا بادشاہوں کے تابع ہونا وغیرہ"، یہی طرح البیرونی جو خود ایرانی نژاد اور محب وطن ہے ہفتخوان رستم کے ذکر کے بعد لکھتا ہے۔ ولھم فی التاریخ اعمار الملوک وافاعیلھم المشہورۃ عنھم مایستنفر عن استماعہ القلوب تمجہ الاذان و لا تقبلہ المعقول[1] یعنی ایرانیوں کی تاریخ میں بادشاہوں کی عمریں اور ان کے کارنامے ایسے درج ہیں جن کے سننے سے دل اکتاتا ہے۔ نہ کان ان کو گوارا کرتے ہیں نہ عقل قبول کرتی ہے حمزہ صفہانی اپنی کتاب سنی ملوک الارض والانبیاء

[1] آثار الباقیہ مطبوعہ لیبزک صفحہ ۱۰۰

میں صاف کہتا ہو کہ اُن کی تمام تاریخی کتابیں محرف اور غیر صحیح ہیں .... مجبوراً میں نے یہاں بادشاہوں کے صرف ہی حالات مختصراً جمع کردیے ہیں جو ان کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی فضول باتیں ان کی تمام کتابوں میں بھری پڑی ہیں ان کے خطوط اور وصیت نامے وغیرہ جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں ان سے ہم نے اپنی کتاب کو پاک رکھا ہے[۱۳]

یونانی و پارسی تواریخ میں تناقض ایران قدیم سے یونان کے تعلقات بہت گہرے رہے ہیں۔ صدیوں حاکم و محکوم کا سلسلہ رہا ہے۔ اسکندر ایران کے علوم دین کو تلف کرکے باقی تمام علوم و فنون یونان اٹھوا لے گیا۔ اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے اس سے ظاہر ہے کہ اس عہد کی تاریخ ایران کے لئے دنیا میں بہتر سے مواد و مواقع یونان ہی کو حاصل تھے چنانچہ قدیم مورخین یونان نے اپنے عصر کے ایران کے جو تاریخی حالات چھوڑے ہیں وہ ہر اعتبار سے ایرانی بیانات سے زیادہ معتبر سمجھے جانے کے لائق ہیں مگر وہ بالاکثر ان پارسی روایات سے متناقض ہیں۔ ثعالبی کا بیان ہو کہ ہمارے پاس تاریخ ایران کے متعلق دو ماخذ ہیں۔ ایرانی و یونانی۔ ہم جانتے ہیں کہ دونوں

[۱۳] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحہ ۴۳ [۱۴] ایضاً

میں اختلاف ہو لیکن صاحب البیت ادری بما فیہ۔ گھر کا حال گھر
والا ہی خوب جانتا ہے۔ اس لئے ہم نے یونانیوں کے مقابلے میں
ایرانیوں کا زیادہ اعتبار کیا لیکن صاحب البیت سینکڑوں اور ہزاروں
سال پیشتر کے اسلاف کی مدیحانہ داستانیں غلو اور اغراق کے ساتھ
بیان کر رہا ہو تو اس کے اس بزرگ ہمسایہ کی شہادت بے شبہ کہیں
زیادہ معتبر قرار دیجائیگی جو اسکے اسلاف کا ہمعصر یا قریب العصر ہو۔
غرض واقعیت کے اعتبار سے پارسی تاریخوں اور کلیلہ دمنہ جیسی
کہانیوں چنداں فرق نہیں معلوم ہوتا ؛

مجوس اور اسلام

یہ مقالہ در اصل "پارسی علوم اور اسلام" کا تتمہ ہے۔ گذشتہ ابواب میں زبان پہلوی کی ناداری و نقائص، قدیم علوم پارسی کی کیفیت و کمیت اور ان پر عرب کی لسانی و ادبی تاثرات و احسانات سے بحث کی گئی تھی سطور ذیل میں عہد اسلام میں (ساتویں صدی ہجری تک) پہلوی ادبیات کی موجودگی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی خدمت و حفاظت بذریعہ تراجم و اقتباس ثابت کی گئی ہے، اور مجوسیوں پر اسلام کے درد انگیز مظالم کی حقیقت کے انکشاف پر خاتمہ کیا گیا ہے۔

پارسی علوم ساتویں صدی ہجری تک

قدیم پارسی لٹریچر جو کچھ بھی تھا اور جیسا کچھ بھی تھا ساتویں صدی ہجری تک ایران میں موجود تھا جس کا ثبوت ہمیں عربی تاریخوں سے ملتا ہے۔ مصنفین اسلام نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ ساتویں صدی کے تاتاری فتنوں میں جہاں سینکڑوں جلیل القدر فضلا اور ان کی بے بہا تصانیف تلف ہو گئیں اگر ان کے ساتھ پارسی کی گنتی کی دس بیس کتابیں بھی ناپید ہو گئیں تو ان کا کیا شمار۔ مگر یہ کہنا بالکل مبالغہ نہ ہو گا کہ پارسی میں جو کچھ سواد قابل اعتنا تھے عربی میں منتقل ہو گئے۔ فتح ایران سے ایک صدی کے اندر اندر فارسی کی اکثر کتابیں عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں

تراجم ہشام بن عبدالملک اموی نے جو سنہ ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا اپنے منشی جبلہ بن سالم سے جنگ رستم و اسفندیار، داستان بہرام چوبیں اور فارسی کی بہت سی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس نے سنہ ۱۱۳ھ میں ایک تاریخ عجم کا ترجمہ بھی کرایا جو ایران کی مفصل و مبسوط مصوّر تاریخ تھی اور مسعودی نے اسے سنہ ۳۰۳ھ میں شہر اصطخر میں دیکھا تھا[1]

خلافت عباسیہ کے مترجم بہرام بن مردان شاہ نے خدا ے نامہ جو شاہنامہ کا ایک اہم ماخذ ہے حاصل کرنا چاہا تو اسے اس کتاب کے بیس نسخے مل گئے۔ عربی میں اس کتاب کے آٹھ مختلف ترجمے حمزہ اصفہانی کی نظر سے گذرے ہیں[2]۔ عبداللہ بن المقفع مشہور فاضل و مترجم کتب پہلوی نے بھی اس کتاب کا اور آئین نامہ، گہنامہ، سیکران، اور بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خدا ے نامہ کے پانچ ترجمے پانچ شخصوں نے کیے[3] تاریخ دولت ساسانی کا ترجمہ ہشام بن قاسم اصفہانی نے کیا اور نیشاپور کے مشہور موبد بہرام بن مردان شاہ سے اس کی اصلاح و تصحیح کرائی۔

دیگر کتب پارسی ان عربی ترجموں کے علاوہ ہمیں عرب مصنفین کی کتابوں سے بہتیری قدیم پارسی کتابوں کا پتہ ملتا ہے اشکانی دور (۲۵۰ قبل مسیح لغایتہ ۲۲۶ء) تک کا سرمایۂ علم حمزہ اصفہانی کے زمانہ تک یعنی سنہ ۳۵۰ھ تک ایران میں موجود تھا۔ وہ کہتا ہے کہ عہد ملوک الطوائف

---

[1] کتاب الاشراف مسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶ [2] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ و ۱۹ [3] ایضاً صفحات ۹ - ۱۵ [4] آثار الباقیہ مطبوعہ لیپزک صفحہ ۹۹ ۔

داشکانیان) میں کتاب مزدک، کتاب سندباد، کتاب برسناس، کتاب شیماس وغیرہ لکھی گئیں جو آج لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کا شمار ستر کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں ففی ایامھم وضعت الکتب التی ھی فی ایدی الناس مثل کتاب مزدک وکتاب سندباد وکتاب برسناس وکتاب شیماس وما اشبھہا من الکتب التی تبلغ عددھا قریبا من سبعین کتابا[1] جب اشکانیوں کے عہد قحط الرجال وطوائف ملوکی کی ستر کتابیں چوتھی صدی ہجری میں موجود تھیں تو اس سے قریب تر عہد ساسانی کے علوم کیوں غارت ہونے لگے تھے

دوسرے پارسی اجزاء ورسائل جو عہد اسلام میں موجود تھے اور اسلامی کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

شہزادہ پرویز (اردشیر کے خود نوشت وقائع)، کارنامہ نوشیرواں، مزدک نامہ، بہرام وزسی نامہ، کتاب التاج، کارنامہ اردشیر بابکان (شاہنامہ کا دوسرا اہم تر ماخذ)، جاماسپ نامہ، آئین بہمن، داراب نامہ، دانش افزائے نوشیروانی مولفہ بزرگ مہر (بزرجمہر) پاستان نامہ، انشور نامہ، خرد نامہ۔ بقول صاحب مجمع الفصحا "فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را از اں نامہا بدست آوردہ"

[1] سنی ملوک الارض صفحہ ۳۰۔ اس دعوے کا ذمہ دار حمزہ اصفہانی ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ اس تاریک عہد میں کوئی علمی حرکت ظاہر نہیں ہوئی۔

پارسی ادبیات کی اس لمبی فہرست سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب عہد ساسانی کا سرمایہ تھیں۔ معدودے چند کے سوا جن کی تصریح[1] پچھلے اوراق میں کی جا چکی ہو اکثر کتابیں عہد اسلام کی تالیفات ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی عالم افروز روشنی سے مجوس بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ایک طرف نومسلم ایرانی عربی تصنیفات میں مصروف ہوئے تو دوسری طرف غیر مسلم ایرانی پہلوی جدید میں تالیفات کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن پر اسلام کا اثر نمایاں نظر آتا ہو۔ ان پارسی تصنیفات کا سلسلہ آٹھویں صدی ہجری تک جاری رہا۔

تاریخ ایران کا یہ ذخیرہ عہد غزنوی تک ایران میں عام تھا۔ مورخین اسلام طبری، مسعودی دینوری، یعقوبی، حمزۂ اصفہانی، ابو معشر، موسیٰ ابن عیسیٰ الکسروی اور ابن حوقل نے ان سے استفادہ کرکے ایران کی تاریخیں مرتب کیں۔ ان میں سے اکثر فردوسی کے وقت تک تصنیف ہو چکی تھیں۔ اور اس نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہو اگرچہ اقرار نہیں کرتا۔ خود سرجان ملکم جو فاتحین عرب پر ادبیات عجم کی وحشیانہ تباہی کا الزام عائد کرتے ہیں، شاید بھولے سے ایک جگہ

[1] اوراق ماسبق میں تفصیل گذر چکی اس مسئلہ پر شعر العجم حصہ دوم۔ اور زیادہ تر تاریخ علوم ایران پروفیسر براؤن جلد اول میں محققانہ بحث کی گئی ہو۔

فرماتے ہیں۔

"اجزائیکہ مضامین شاہنامہ از آں گرفتہ شدہ است در زبان پہلوی بود .... بعد از تالیف و ترتیب شاہنامہ نسخہائے قدیم بسبب اعتنائی از میان رفتہ است و اگر ہم احیاناً حفظ شدہ باشد محتمل است کہ در خزانۂ سلاطین غزنوی بودہ است، در ایں صورت باید در فتنہ غوریاں کہ غزنیں بیاد نہب و تاراج رفت ایں اجزا نیز از دست رفتہ و ضائع شدہ باشد[1]"

آپ نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے پارسی ادبیات کی کیسی خدمت کی، کس طرح تراجم و التقاط و استفادہ سے ان کو محفوظ کیا جس کے بغیر شاید آج پارسی کی کتابوں کے نام سے بھی دنیا آشنا نہ ہوتی۔ اس حقیقت پر نظر کیجیے، خود معترض کے فقرۂ بالا کو پڑھیے، پھر فاتحین اسلام کے خلاف ان کی وہ ہنگامہ آرائی ملاحظہ فرمائیے جو تمہید میں مذکور ہوئی، اور فیصلہ کیجیے کہ سرجان ملکم کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو کہ جاہل فاتحین اسلام نے پارسیوں کے تمام علوم ملیامیٹ کر دیئے۔

پارسی فاضل کی شہادت رہا یہ اعتراض کہ فاتحین عرب نے ایرانیوں کی پارسانہ مدافعت سے طیش میں آکر

[1] تاریخ ایران جلد اول صفحہ ۶۵

ایران کے شہروں کو مسمار کر دیا، آتشکدوں کو آگ لگادی پجاریوں اور
موبدوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور پارسی ادبیات کے ساتھ ان
کے قابضوں کو بھی مٹا دیا۔ کیا خوب ہو کہ اس سنگین الزام کا جواب
خود پارسی فاضل کی زبان قلم سے ادا ہو۔ کیونکہ

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

مسٹر نریمان مسٹر نریمان موصوف الصدر نے ایک روسی مستشرق
موسیو انوسٹرانٹزیو کی محققانہ روسی تصنیف
سے انگریزی میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے اور آخر میں اصل ماخذوں
کا ترجمہ بھی ضم کر دیا ہے۔ اس کا نام ہے ادبیات اسلام پر ایرانی اثرات

ایرانین انفلوئنس آن مسلم لٹریچر

ایک طرف سر جان ملکم اور پروفیسر آزاد اپنے "پارسی بھائیوں" کے علوم
و فنون اور تہذیب و تمدن ہی نہیں بلکہ ان کا ایمان اور مذہب
عربوں کے ہاتھوں غارت ہونے پر رقت انگیز نوحہ خوانی میں مصروف
نظر آتے ہیں، دوسری طرف اُن کے "پارسی بھائی" فرماتے ہیں:۔

غیر محققانہ طلاقت لسانی اور دل خوشکن مقرری کے ساتھ
کہا جاتا ہے کہ عربوں نے تہذیب ایران کے دماغی اور جسمانی تمام
شعبوں پر ایسی جھاڑو پھیر دی کہ مجوسیوں کے متعلق کوئی معتبر ذریعہ

معلومات باقی نہیں رہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خود عربی اور جاہل عربوں کے ہاتھوں ایرانی تہذیب و تمدن کے مٹائے جانے کی بے بنیاد کہانی کا ابطال کر رہی ہیں۔ تاریخ کے متفرق شعبوں اور جغرافیہ سائنس و فلسفہ پر عربی تصانیف ایرانی تہذیب و تمدن کی تاریخ کے لئے وسیع مواد بہم پہنچاتی ہیں۔"

یہ خود مسٹر زیمان کے مقدمہ یا دیباچہ کے الفاظ ہیں۔ کتاب کے حصہ[1] ترجمہ میں روسی مصنف سے نقل کرتے ہیں۔

ایرانیوں کی فاتحانہ حیثیت مفقود ہونے کے بعد بھی اُنکے پیشرو ایرانی مذہب کی وقعت و حرمت ایرانیوں اور عربوں کی نظر میں یکساں قائم رہی۔ اسی طرح دہقانوں کی جماعت کا رتبہ بھی علیٰ حالہٖ برقرار رہا اور یہی دہقان ایرانی روایتوں کے حامل تھے۔ فتح ایران کے بعد سالہا سال تک عرب آثار صنادید عجم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور اپنی تصانیف میں وضاحت کے ساتھ اُن کے بیانات چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ اصطخری و ابن حوقل جو پانچویں صدی کے آغاز کے مصنف ہیں، بتاتے ہیں کہ تمام مدت عہد اُموی میں

---

[1] اصل تصنیف یعنی متن کیا ہے۔ فرانسیسی اور پھر انگریزی میں ترجمے ہوئے ہیں انگریزی ترجمہ اب سے ایک صدی پیشتر سر ولیم اوسلی نے کیا۔

مگر ایران کے اکثر مقامات کے باشندے کھلم کھلا اپنے دین (آتش پرستی) پر قائم تھے۔ باشندگان فارس کا حصہ غالب آتش پرست تھا اس صوبہ کا کوئی قریہ اور گاؤں تک آتشکدہ سے خالی نہ تھا۔ قدیم محلات، قلعے، آتشکدے تمام فارس میں پھیلے ہوئے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ شیراز کے آتش پرستوں کے لباس کے لیے کوئی امتیازی علامت نہ تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ان میں اور مسلمان رعایا میں کوئی فرق نہ تھا۔ بے شبہہ فتح اسلام کے بعد پارسیوں کی حالت نسبتہً اچھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی چیز انھیں صدمہ پہنچاتی تھی تو وہ اور اور ادیان ومذاہب کا جو فی تعصب اور سازشیں ہوتی تھیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً امرائے دولت کے مدارج تک پہنچکر بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتے تھے مگر بالعموم یہ جماعت الگ تھلگ اور سیدھی سادی زندگی بسر کرنے کی عادی تھی۔ اسی سبب سے یہ اپنے خصائص قومی اور شعار قدیمی پر قائم رہ سکی۔ امتداد زمانہ کے بعد ان کی زندگی خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ ان میں سے ایک ٹولی بتدریج مغربی ہند میں جا رہی۔ تمام پارسی ادبیات میں صرف ایک مقام پر ہم ترک وطن کا ذکر پاتے ہیں مگر وہاں بھی اسقدر مبہم ہے کہ اصل واقعہ کا صرف

دصندلا سا نشان معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا نام قصۂ سنجان ہے اور
سولھویں صدی عیسوی کے آخر کی تصنیف ہے۔ لہذا اسے قدیم
گبروں کی ایک بقیہ گونج سمجھنا چاہیے۔ بہر حال اس کتاب کے
بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تسلط کے بعد پارسی ایک سو
سال تک پہاڑی علاقوں میں بسر کرتے رہے۔ پھر ہرمز کو منتقل ہو کے
وہاں سے گجرات میں جا بسے۔ پھر اور تارکان وطن بھی خراسان سے
آملے۔ اس سے بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پارسیوں کا ترک
وطن تدریجی تھا۔ ورنہ یکبارگی اجتماعی ترک وطن کی صورت میں عربی
تصانیف سے کوئی سُراغ ملنا چاہیئے تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مسلّم ہے
کہ ان کی معتد بہ تعداد اپنے وطن ہی میں رہی جن کی اولاد ایران
کے موجودہ گبر ہیں۔

طبرستان کے اسپہباد جو خاندان ساسانی کے فوجی گورنر تھے۔ فتح
ایران کے بعد پوری ایک صدی ۷۶۱ء تک آزادانہ اپنے ملک میں خود
مختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ ان کے سکے آجتک
موجود ہیں۔ پھر اس زمانہ میں پارسیوں کا ایک محفوظ پارسی حکومت کو
چھوڑ کر ہندوستان میں یکبارگی مضطربانہ ہجرت کرنا قرین قیاس نہیں۔
مصنف موصوف اسی سلسلہ میں رقم طراز ہے:۔

مندرجۂ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عربوں کی فتح ایران کے بعد کئی صدیوں تک پارسی روایات ادبیہ اپنی قومی شکل میں موجود تھیں۔

عرب مصنفین قدیم فارسی کتابوں کی تلاش میں پارسی موبدوں تک پہنچا کرتے، اور کامیاب ہوتے تھے .... محض انھی عرب مصنفین کی بدولت آج علمی مواد دنیا پر باقی رہ گئے ہیں جن میں سے بعض ساسانی عہد کی کتابوں کے (عربی) ترجمہ ہیں ....

ابن حوقل گیارھویں صدی کے وسط میں گذرا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ آج فارس میں کوئی ضلع یا شہر بلکہ گاؤں نہیں جہاں آتشکدے نہ ہوں .... یہ بڑے خوشحال، تجارت پیشہ، اور جہازران ہیں .... بہ آفرید کے نام سے عہد اسلام میں زرتشتی مذہب سے ایک فرقہ قائم ہو گیا تھا۔ اس کے واقعات سے ہمیں اثبات کی نہایت زبردست دلیل ملتی ہے کہ اس زمانہ میں زرتشتیوں کو صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے ہی کا اختیار نہ دیا گیا تھا بلکہ البیرونی کے بیان کے مطابق قدیم زرتشتی اور یہ جدید فرقہ دونوں خلفاء کے زیر سایہ دوش بدوش شاد و مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔

حمد اللہ مستوفی نزہتہ القلوب میں چودھویں صدی عیسوی کا

مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ الشتر ——————— میں ایک قدیم آتشکدہ ہے
جس کا نام اردھشن ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تشتر کے قریب پرانے قلعے ہیں جن میں سے ایک کا
نام آتش گاہ (آتشکدہ) ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مقدسی کا بیان ہے کہ آتش پرست یہود و نصاریٰ
کی طرح اہل کتاب کے حقوق رکھتے ہیں"۔

پروفیسر براؤن

اب ذرا ایران کی قوم اور علوم کے مسلم الثبوت شیدائی پروفیسر براؤن صاحب کی زبان سے بھی پارسیوں کے ساتھ عربوں کے برتاؤ کا حال سُن لیجیے ۔ وہ اپنی مشہور تصنیف تاریخ علوم ایران میں فرماتے ہیں :۔

"اکثر کہا جاتا ہے کہ غازیان اسلام دو چیزیں پیش کیا کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک اختیار کر لو ۔ قرآن ، یا تلوار ، مگر حقیقت یہ نہ تھی ۔ مجوسیوں عیسائیوں اور یہودیوں سب کو اپنے اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی تھی ۔ صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جو بالکل منصفانہ انتظام تھا ، کیونکہ خلفا کی غیر مسلم رعایا قانوناً فوجی خدمت اور ادائے صدقات سے بری تھی مگر مسلمانوں پر دونوں چیزیں لازماً فرض تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بحرین میں پارسی زبان اور اس کے کچھ ہموطن مسلمان ہوگئے اور باقی فی مرد بالغ ایک دینار جزیہ قبول کر کے اپنے دین زرتشتی پر قائم رہے ۔ مجوسی اور یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"جو شہر مسلمانوں کی مدافعت میں زیادہ مزاحم ہوتے ۔ خصوصاً وہ شہر جو ایک دفعہ ہتھیار ڈال دینے کے بعد دوبارہ بغاوت کر بیٹھتے ۔ ان کا بچنا آسان نہ تھا ۔ بالخصوص ، اگر اللہ کی مقبوضہ میں قابل جنگ مرد یا کم از کم مسلح پائے جاتے ۔ تہ تیغ کر دیے جاتے اور ان کی

عورتیں اور بچے اسیر کر لیے جاتے تھے تاہم یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مجوسیوں پر مجوسی ہونے کی بنا پر کوئی ظلم کیا گیا ہو یا ایران کو بزور مسلمان بنایا گیا ہو...... اس میں شک نہیں کہ عرب میں نومسلم اور اسیر جنگ ایرانیوں کے غیر محدود ہجوم نے حضرت عمر کو کچھ متفکر کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ "الٰہی ان اسیران جلولہ کی اولاد سے تیری پناہ!" اور درحقیقت واقعات نے آپ کے تردد کو بجا ثابت کر دیا۔ آپ انہیں ایرانی اسیروں میں سے ایک کے خنجر سے شہید ہوئے جسے عرب ابو لولو کہتے تھے۔ ایران کے زیادہ متعصب شیعی آج تک اسی حادثہ کو مسرت کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ ہوا کہ "عمر کشاں" کے نام سے آپ کی برسی منایا کرتے تھے.............

اب دین زرتشتی اگرچہ دین سلطانی کے رتبہ سے تو گر گیا تاہم ایران سے بالکل نہ مٹا۔ جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہ کیا اور اپنے آبائی مذہب مجوسیت پر قائم رہے ان کی تعداد صرف اُن تارکان وطن ہی تک محدود نہ تھی جو عرب حملوں سے پہلے جزائر خلیج فارس کو اور وہاں سے ہندوستان بھاگ آئے جہاں انہوں نے پارسی نو آبادیاں قائم کر لیں جو اب تک بمبئی اور سورت میں اور انکے آس پاس موجود ہیں بلکہ یہ جماعت تو مجموعی پارسی آبادی کا ایک جزو قلیل تھی...... موبدوں کا اثر اور احترام ابھی تک قائم تھا۔ عمائدین خلافت سے انکے تعلقات اچھے تھے پارسیوں کو ایک حد تک حکومت خود اختیاری حاصل تھی آتشکدوں کو ایسی حالت میں بھی جب انکے انہدام کا قانوناً اعلان کر دیا جاتا تھا عملاً شاذ و نادر ہی صدمہ پہنچایا جاتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات مسلمان حکام کو ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دیتے تھے جو نامعقول جوش دینی میں آتشکدوں کو کوئی نقصان پہنچا دیتے یا برباد کر دیتے تھے۔ فتح ایران کے بعد تین صدیوں تک قریب قریب ہر صوبہ ایران میں آتشکدے موجود تھے۔ حالانکہ آجکل ہوٹم شینڈلر کے باعزم و احتیاط شمار کے موافق ایران کے تمام آتش پرستوں کی مجموعی آبادی صرف ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب پہنچتی ہے"

تصحیح اغلاط فاحش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
عنوان		سلام	اسلام
۴	۳	رضاعلی	رضاقلی
۴	آخر	جانوروں	جانوں
۸	۸	پاتیا	پارتھیا
۹	۱۴	کونان	کو یونان
۱۷	۷	دوسری	دوسری کو
۱۹	۹	وغیرہ	وغیر
۲۰	۹	ارمی	کہ ارامی
۲۲	۳	سنہ ۱۰۶۶	۱۰۶۶ء
۲۳	۳	مللوک	ملوک
۲۴	۱۲	عادی	حادی
۲۴	۱۳	گیلن	جالینوس
۳۲	۶	چلواصاف	چلو، صاف
۴۱	۴	دخل ہے	دخل ؟
۴۴	۲	پیشدادی	کیانی
۴۸	آخر	کہانیوں چنداں	کہانیوں میں چنداں
۶۰	۷	اسی	اس
۶۰	۱۷	حکام کو ایسے	حکام ایسے

دیگر کتب مؤلف

معتقداتِ عجم

عہد زرتشت سے لیکر موجودہ صدی تک ایران کے عقائد مذہبی کی جامع تاریخ جس میں مستقل مذاہب کے علاوہ اُن مدعیانِ نبوت والوہیت کے حالات اور عقائد سے بحث کی گئی ہے جو اسلام کی نقاب میں ظاہر ہوکر اسلامی حکومت و اقتدار کی بیخکنی کے ساعی رہے اور جن کے عقائد کی جھلک موجودہ اسلام میں موجود ہے۔ ... ... قیمت فی جلد عہ

وکلائے مرافعہ

ایران کے موجودہ روزمرہ میں مرزا جعفر قراجہ داغی کا جدید فارسی ڈراما، جو ہندوستان میں پہلی مرتبہ طبع کیا گیا۔ مع حواشی حل لغات و محاورات جدیدہ و مقدمہ از پروفیسر محمد مسلم قیمت ۸

ملنے کا پتہ:-

(۱) پروفیسر محمد مسلم ایم اے، ایم۔ او۔ ایل سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ (بہار)

(۲) منیجر الناظر بک ایجنسی۔ لکھنؤ۔

(۳) منیجر مسلم یونیورسٹی بک ڈپو۔ علی گڑھ

مؤلف نے مطبع جامعہ ملیہ صدر بازار دہلی سے باہتمام مسٹر محمد مجیب بی۔ اے آکسن طبع کراکے شائع کیا